بندگی
تالیف
شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ
ناشر الدار السلفیہ ممبئی

بندگی

سلسلہ مطبوعات الدار السّلفیہ نمبر ۱۶۴

نام کتاب	:	بندگی (العبودیة)
مؤلف	:	شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ
نام مترجم	:	زبیر احمد سلفی
تصحیح وتقدیم	:	مختار احمد ندوی
طابع	:	اکرم مختار
ناشر	:	الدار السّلفیہ ممبئ
تعداد اشاعت (بار اول)	:	ایک ہزار
تاریخ اشاعت	:	مئی ۲۰۰۱ء
قیمت	:	۵۰/روپے

ملنے کا پتہ

دار المعارف

۱۳/محمد علی بلڈنگ، بھنڈی بازار، ممبئ - ۳

فون:- ۳۷۱۶۲۸۸

بندگی

(العبودیۃ)

تالیف

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح

ترجمہ
زبیر احمد سلفی

تصحیح و تقدیم
مولانا مختار احمد ندوی

ناشر

الدار السلفیہ ممبئی

فہرست

کلمۃ الناشر ۵

تمہید ۹

پہلی فصل: امر بالمعروف ۳۷

دوسری فصل: ایمان میں تفاضل ۸۶

تیسری فصل: خالق اور مخلوق کے درمیان فرق ۱۵۲

چوتھی فصل: دین کا اجماع ۱۶۹

کلمة الناشر

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اسلام اور مسلمانوں اور امت اسلامیہ کے لئے اللہ کی بڑی نعمت تھے، اسلام کی آئندہ تاریخ تک کے لئے وہ مجدد اور ''نشان راہ'' تھے، انہوں نے شریعت اسلامیہ کے تعارف، اس کے بنیادی عقائد کی تعیین وتصحیح، کے لئے تجدیدی خدمات انجام دی ہیں۔

زیرِ مطالعہ کتاب ''العبودیة'' عقیدۂ اسلامیہ کا بنیادی پتھر ہے۔ اس کی معرفت اور حقیقت، اس کا معنی ومفہوم اچھی طرح سمجھے بغیر دین اسلام کو سمجھنے کی بنیاد صحیح نہیں ہوگی۔

علامہ ابن تیمیہؒ سے ''عبادت'' کا معنی اور مفہوم پوچھا گیا، جس کے جواب میں آپ نے یہ مفصل جامع اور بنیادی رسالہ ہی لکھ دیا، اس رسالے کی اساس اور اصل، اللہ کا یہ ارشاد ہے:

﴿یا ایها الناس اعبدوا ربکم﴾ اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔ (البقرة: ٢١)

چنانچہ آیت مذکورہ میں ''عبادت'' کو آپ نے اس رسالے کا موضوع

بنایا، اور فرمایا: عبادت ہر اس قول وعمل کو کہتے ہیں (خواہ وہ باطنی ہو یا ظاہری) جسے اللہ پسند کرتا ہے اور جس سے راضی ہے، جیسے نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، سچ بولنا، امانت ادا کرنا، والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا، صلہ رحمی کرنا، وعدہ پورا کرنا، بھلی بات کا حکم دینا، بری باتوں سے روکنا، کفار و منافقین سے جہاد کرنا، پڑوسی اور یتیم اور مسکین اور مسافر، غلاموں کے ساتھ نیکی اور احسان کرنا، اسی طرح اللہ سے دعا مانگنا اور اس کا ذکر کرنا، قرآن کی تلاوت کرنا یہ سب اعمال عبادت میں شامل ہیں۔

اسی طرح اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنا، اللہ کی معصیت سے خوف کرنا، اللہ کی طرف رجوع ہونا، دین میں اخلاص وللٰہیت اختیار کرنا، اللہ کے حکم پر جمے رہنا، اللہ کی نعمتوں پر شکر کرنا، اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنا، اللہ پر توکل کرنا، اللہ کی رحمت کی امید رکھنا، اللہ کے عذاب سے ڈرنا اور اسی طرح کے دوسرے اعمال سب اللہ عبادت میں شامل ہیں۔

عبادت یعنی اللہ کی بندگی اور غلامی اختیار کرنا، یہی اس دنیا کی سب سے محبوب غرض وغایت ہے، اسی عبادت کے لئے اللہ نے کائنات کو پیدا کیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وما خلقت الجن والانس میں نے جنوں اور انسانوں کو

الا لیعبدون ﴾(الذاریات: ٥٦) صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

عبادت اور عبودیت یعنی اللہ کی بندگی اور غلامی اسلامی زندگی کی روح ہے، اللہ کے بندے اپنے آقا اور مولیٰ کے لئے ''قیام'' کرتے ہیں اور ''رکوع'' کرتے ہیں اور زمین پر ''سجدہ'' کرتے ہیں۔ یہ سب اللہ کی غلامی اور بندگی کی عملی تصویریں ہیں۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ساری عبادتیں اللہ کی بندگی اور غلامی کی صورتیں ہیں۔ زندگی میں اللہ کی اطاعت، اس کے احکامات پر راضی برضا رہنا، جان و مال، اولاد و وطن اور جائداد سب اللہ کی راہ میں قربان کردینا اللہ کی بندگی اور عبادت کا عنوان ہے۔ دین کی اشاعت اور تعلیم و تبلیغ سب عبادت ہیں۔

احکامات الٰہی پر سچے دل سے عمل کرنا اور انہیں دل سے سچ ماننا اور انہیں بلا چوں و چرا تسلیم کرلینا ہی اللہ کے عابد اور متقی بندوں کی شان ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿انما کان قول المؤمنین اذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینھم ان یقولوا ایمان والوں کا کہنا تو بس یہ ہوتا ہے کہ جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں

سمعنا و اطعنا و اولئک هم المفلحون ﴾ (نور:۵۱) تاکہ ان کے بارے میں فیصلہ کردیا جائے تو وہ صرف یہ کہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم مان گئے اور ایسے اللہ والے نجات پائیں گے۔

غرض "العبودیۃ" علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ایک نہایت جامع اور ایمان افروز کتاب ہے جس کو پڑھ کر ہر مسلمان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی غلامی اور بندگی کا حقیقی جذبہ اور ذوق پیدا ہوتا ہے، اور یہی ایمانی زندگی کا حاصل ہے۔ ادارہ الدار السّلفیہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے ایسی جامع اور ایمانی کتاب کے ترجمہ اور اشاعت کی ہمیں توفیق عطا فرمائی، رب العالمین سے ہم دعا گو ہیں کہ اس کے مؤلف شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کی روح کو آرام اور اطمینان عطا فرمائے اور انہیں اپنے انعام پانے والے بندوں میں شامل فرمائے، ساتھ ہی کتاب کے مترجم، مصحح اور ناشر سب کے لئے اس کتاب کو وسیلۂ نجات بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

مختار احمد ندوی

مدیر الدار السّلفیہ ممبئی

تمہید

عبادت: یہ ایک جامع لفظ ہے اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہو، خواہ وہ اقوال ہوں یا ظاہری و باطنی اعمال۔ چنانچہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، سچی بات، امانت کی ادائیگی، والدین کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی، عہد کو پورا کرنا، بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا، کفار و منافقین سے جہاد کرنا، پڑوسی اور یتیم کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، فقراء و مساکین و مسافر کی مدد کرنا، غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، جانوروں پر رحم کرنا، دعا کرنا، ذکر کرنا، قرآن کی تلاوت کرنا، یہ سب عبادت ہے۔

اسی طرح اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرنا، اللہ سے ڈرنا اور اس کی طرف رجوع کرنا، دین کو اسی کے لئے خالص کرنا، اس کے فیصلے پر صبر کرنا، اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا، اس کی قضاء پر راضی رہنا، اس پر

توکل کرنا، اس کی رحمت کی امید رکھنا اور اس کے عذاب سے ڈرنا وغیرہ بھی عبادت ہے۔ انسان کی خلقت کا مقصد ہی درحقیقت اللہ کی عبادت ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون﴾ (الذاريات:٥٦) ہم نے انسان اور جنات کو اپنی عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔

اور اسی مقصد کے لئے تمام انبیاء کو بھیجا گیا ہے۔ جیسے کے حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا:

﴿اعبدوا الله مالكم من اله غيره﴾ (اعراف:٥٩) اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں۔

اسی طرح حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب علیہم السلام وغیرہم نے اپنی قوم سے کہا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں۔

اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ولقد بعثنا فی كل امة رسولا أن اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت فمنهم من هدى الله ومنهم من حقت عليه ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو پس بعض لوگوں کو اللہ نے ہدایت دی اور

الضلالة ﴾ (نحل:٣٦) بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی۔

اور فرمایا:

﴿وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحی الیه انه لا اله الا انا فاعبدون ﴾ (انبیاء:٢٥) تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔ اور فرمایا:

﴿ان هذه امتكم امة واحدة وانا ربكم فاعبدون﴾ (انبياء: ٩٢) یہ تمہاری امت حقیقت میں ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا پروردگار رہوں، پس تم میری ہی عبادت کرو۔ ایک دوسری آیت میں اللہ نے فرمایا:

﴿یا ایها الرسل کلوا من طیبات واعملوا صالحا إنی بما تعملون علیم وإن هذه امتكم امة واحدة وأنا ربكم فاتقون ﴾ (مومنون: ٥١-٥٢) اے پیغمبرو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے میں بخوبی واقف ہوں یقیناً تمہارا یہ دین ایک ہی دین ہے اور میں ہی تم سب کا رب ہوں پس تم مجھ سے ڈرتے رہو۔

اور اللہ نے عبادت کو اپنے رسول کے لئے موت آنے تک لازم قرار دیا ہے چنانچہ فرماتا ہے:

﴿واعبد ربک حتی یاتیک الیقین﴾ (حجر:۹۹)

اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔

اور اللہ نے اپنے فرشتوں اور انبیاء کی صفت اس طرح بیان کی ہے:

﴿وله من فی السمٰوات والارض ومن عنده لا یستکبرون عن عبادته ولا یستحسرون یسبحون اللیل والنهار لا یفترون﴾ (انبیاء: ۱۹-۲۰)

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی اللہ کا ہی ہے اور جو اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے نہ سرکشی کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں اور وہ دن رات تسبیح بیان کرتے ہیں اور ذرا سی بھی سستی نہیں کرتے۔ اور اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ان الذین عند ربک لا یستکبرون عن عبادته ویسبحونه وله یسجدون﴾ (اعراف: ۲۰٦)

یقیناً جو تیرے رب کے نزدیک ہیں وہ اسکی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے

ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

اور عبادت سے تکبر کرنے والوں کی مذمت اس طرح سے کی ہے:

﴿وقال ربكم ادعوني استجب لكم ان الذين يستكبرون عن عبادتي سيدخلون جهنم داخرين﴾ (غافر: ٦٠)

اور تمہارے رب نے کہا: مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا، یقیناً جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہونگے۔

اور اپنی عبادت کرنے والے بندوں کی تعریف اس طرح سے کی ہے:

﴿عينا يشرب بها عباد الله يفجرونها تفجيرا﴾ (دهر: ٦)

وہ ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے بندے پئیں گے اس کی نہریں نکال لے جائیں گے (جدھر چاہیں)۔ اور فرمایا:

﴿وعباد الرحمن الذين يمشون على الارض هونا واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما﴾ (فرقان: ٦٣)

رحمٰن کے سچے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلام ہے۔

اور جب شیطان نے کہا:

﴿رب بما اغویتنی لازینن لهم فی الارض ولاغوینهم اجمعین الا عبادک منهم المخلصین﴾ (حجر: ۳۹-۴۰)

اے میرے رب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، مجھے بھی قسم ہے کہ میں بھی زمین میں ان کے لئے معاصی کو مزین کروں گا اور ان سب کو بہکاؤں گا بھی، سوائے تیرے ان بندوں کے جو منتخب کر لئے گئے ہیں۔

تو اللہ نے فرمایا:

﴿ان عبادی لیس لک علیهم سلطان الامن اتبعک من الغاوین﴾ (حجر:۴۲)

میرے بندوں پر تجھے کوئی غلبہ نہیں لیکن ہاں جو گمراہ لوگ تیری پیروی کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی صفت اس طرح بیان فرمائی ہے:

﴿وقالوا اتخذ الرحمن ولدا، سبحانه بل عباد مکرمون، لا یسبقونه بالقول وهم بامره یعملون یعلم ما بین ایدیهم

مشرک لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن اولاد والا ہے (غلط ہے) اس کی ذات پاک ہے بلکہ وہ سب اس کے باعزت بندے ہیں، کسی بات

وما خلفهم ولا يشفعون الا لمن ارتضىٰ وهم من خشيته مشفقون﴾ (انبياء: ٢٦-٢٨)

میں اللہ پر پیش دستی نہیں کرتے بلکہ اس کے فرمان پر کاربند ہیں، وہ ان کے آگے پیچھے کے تمام امور سے واقف ہے، وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے بجز ان کے جن سے اللہ خوش ہو، وہ تو خود ہیبت الٰہی سے لرزاں وترساں ہیں۔ اور فرمایا:

﴿وقالوا اتخذ الرحمن ولداً لقد جئتم شيئا اِدّا تكاد السماوات يتفطرن منه وتنشق الأرض وتخر الجبال هدّاً، أن دعوا للرحمن ولدا وما ينبغي للرحمن أن يتخذ ولداً إن كل من في السماوات والأرض إلا آتي الرحمن عبدا، لقد أحصاهم وعدهم عدّا وكلهم آتيه يوم القيامة فردا﴾ (مريم: ۸۸-۹۵)

ان کا قول تو یہ ہے کہ اللہ نے بھی اولاد اختیار کی ہے یقیناً تم بہت بری اور بھاری چیز لاتے ہو، قریب ہے کہ اس قول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہوجائیں اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں کہ وہ رحمٰن کی اولاد ثابت کرنے بیٹھے، شان رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ اولاد رکھے، آسمان وزمین میں جو بھی ہیں سب کے سب اللہ کے غلام

بن کر ہی آنے والے ہیں، ان سب کو اس نے گھیر رکھا ہے اور سب کو پوری طرح گن بھی رکھا ہے، یہ سارے کے سارے قیامت کے دن اکیلے اس کے پاس حاضر ہونے والے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام (نصاریٰ جن کے خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں) کے بارے میں فرمایا:

﴿ان هو الا عبد انعمنا عليه وجعلناه مثلا لبني اسرائيل﴾ (زخرف:۵۹)

عیسیٰ بھی صرف بندہ ہی ہے جس پر ہم نے احسان کیا اور اسے بنی اسرائیل کے لئے نشان قدرت بنایا۔

اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری تعریف میں تم مبالغہ مت کرو جیسے کہ نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریمؑ کی کی ہے میں تو صرف بندہ ہوں تو تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔ (بخاری)

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کی مکمل عبدیت کو اس طرح بیان کیا ہے:

﴿سبحان الذی اسریٰ بعبده ليلا من المسجد الحرام إلى

پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے

المسجد الاقصیٰ﴾ (اسراء:۱) مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔

﴿فاوحیٰ إلی عبده ما اوحیٰ﴾ (نجم:۱۰) پس اس نے اپنے بندے کو وحی پہنچائی جو بھی پہنچائی۔

﴿وأنه لما قام عبدالله یدعوه کادوا یکونون علیه لبدا﴾ (جن:۱۹) ترجمہ: اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لئے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ بھیڑ کی بھیڑ بن کر اس پر پل پڑیں۔

﴿وان کنتم فی ریب مما نزّلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورة من مثله﴾ (بقرة:۲۳) ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت تو بنالاؤ۔

درحقیقت پورا دین ہی عبادت ہے، جیسے کہ حدیث میں ہے: حضرت جبرئیلؑ ایک دیہاتی کی صورت میں نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے اسلام کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے کہا کہ: اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور

اگر سفر کی طاقت ہوتو بیت اللہ کا حج کرو۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اللہ پر ایمان لاؤ اس کے فرشتوں، کتابوں اور رسولوں پر ایمان لاؤ، روز قیامت پر ایمان لاؤ اور تقدیر پر ایمان لاؤ چاہے خیر ہو یا شر۔ انہوں نے پوچھا کہ احسان کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے، پھر آپؐ نے آخر میں فرمایا کہ یہ جبرئیلؑ ہیں جو تم کو تمہارا دین سکھانے آئے ہیں۔ (مسلم)

دین کا لفظ خشوع وخضوع اور عاجزی وانکساری کے معنی کو بھی شامل ہے، جیسے کہ کہا جاتا ہے ''دنته فدان'' میں نے اس کو تابعدار بنایا تو وہ تابعدار بن گیا۔ اور کہا جاتا ہے ''یدین الله و یدین لله'' وہ اللہ کی عبادت واطاعت کرتا ہے اور اس کے لئے عاجزی اختیار کرتا ہے۔

عبادت کے اصل معنیٰ تواضع کے ہیں، جیسے کہ کہا جاتا ہے ''طریق معبّد'' یعنی روندا ہوا راستہ۔ لیکن جس عبادت کا حکم اسلام نے دیا ہے وہ تابعداری اور انکساری کے ساتھ محبت کے معنی کو بھی شامل ہے، یعنی اللہ کی عبادت انتہائی عاجزی اور محبت کے ساتھ کرنا۔

محبت کا آخری درجہ وہ عشق ہے جس میں عقل خراب ہو جائے اور

پہلا درجہ محبوب سے دل لگانا ہے، پھر سوزِش عشق ہے، پھر وہ محبت ہے جو دل کو عذاب میں مبتلا کرنے والی ہو، پھر عشق ہے اور آخری درجہ تتیم ہے یعنی عشق کی وجہ سے عقل کی خرابی۔ کہا جاتا ہے 'هو تيم الله' یعنی وہ اللہ کا بندہ ہے۔ تو متیم وہ شخص ہوا جو اپنے محبوب کا تابعدار ہو۔

اگر کسی شخص نے بغض رکھ کر کسی انسان کی تابعداری کی تو وہ اس کا عابد نہیں کہلائے گا، اسی طرح اگر کسی چیز سے اس نے محبت کی لیکن اس کی تابعداری نہیں کی تو وہ اس کا عابد نہیں ہوا، بلکہ اس کی محبت ایسے ہی ہے جیسے کہ آدمی اپنے بچوں اور دوستوں سے محبت کرتا ہے۔ اس لئے ان دونوں میں صرف ایک چیز اللہ کی عبادت کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ یہ ضروری ہے کہ اللہ بندے کے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو اور ہر چیز سے زیادہ بڑا ہو بلکہ محبت اور مکمل تابعداری کا مستحق صرف اللہ ہی کی ذات ہے اور غیر اللہ کی محبت فاسد ہے اور اللہ کے حکم کے علاوہ کی تعظیم باطل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قل إن كان آباؤكم	آپ کہہ دیجئے اگر تمہارے باپ
وابناؤكم وإخوانكم	اور تمہارے لڑکے اور تمہارے

وأزواجكم وعشيرتكم وأموال اقترفتموها وتجارة تخشون كسادها ومساكن ترضونها أحب إليكم من الله ورسوله وجهاد في سبيله فتربّصوا حتىٰ ياتي الله بأمره﴾ (توبه:۲٤)

بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے قبیلے اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں تو تم انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب لے آئے۔

محبت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہونی چاہئے جیسے کہ اطاعت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے اور اللہ اور اس کے رسول ہی کو خوش کرنا چاہئے جیسے کہ اللہ نے فرمایا:

﴿والله ورسوله أحق أن يرضوه﴾ (توبه:٦٢)

اللہ اور اس کے رسول رضامند کرنے کے زیادہ مستحق ہیں۔

اللہ اور اس کے رسول ہی سے لینا چاہئے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿ولو انهم رضوا ما اتاهم الله ورسوله﴾ (توبه:٥٩)

اگر یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے دیئے ہوئے پر خوش رہتے۔

عبادت اور عبادت کے جو لوازمات ہیں جیسے اللہ پر توکل، اس سے خوف وغیرہ صرف اللہ ہی کے لئے ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قل يا أهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا و بينكم أن لا نعبد إلا الله و لا نشرك به شيئا و لا يتخذ بعضنا بعضا أربابا من دون الله فإن تولوا فقولوا اشهدوا بأنا مسلمون﴾ (آل عمران : ٦٤)

آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، نہ اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں، پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ولو أنهم رضوا ما اتاهم الله ورسوله وقالوا حسبنا الله سيوتينا الله من فضله ورسوله إنا إلى الله راغبون﴾ (توبه:٥٩)

اگر یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے دیئے ہوئے پر خوش رہتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ اللہ ہمیں کافی ہے اللہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول بھی ہم تو

اللہ کی ذات سے ہی توقع رکھنے والے ہیں۔

اللہ اور اس کے رسول سے ہی لینا چاہئے جیسے کے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وما اتاکم الرسول فخذوہ، وما نھاکم عنه فانتھوا﴾ (حشر:۷)
اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو اور جس سے روکے رک جاؤ۔

اسی طرح سے یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ مؤمنوں کے لئے کافی ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الذین قال لھم الناس إن الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم إیمانا وقالوا حسبنا الله ونعم الوکیل﴾ (آل عمران:۱۷۳)
وہ لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلے پر لشکر جمع کر لئے ہیں تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا

اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿یا ایھا النبی حسبک الله ومن اتبعک من المومنین﴾ (انفال:٦٤)
اے نبیؐ تجھے اللہ کافی ہے اور ان مومنوں کو جو تیری پیروی کر رہے ہیں۔ یعنی تمہارے لئے اور مؤمنوں کے لئے اللہ کافی ہے۔

اور جس شخص نے آیت کا ترجمہ یہ کیا کہ ''اے نبی تجھے اللہ اور مومن کافی ہیں'' تو اس نے فاش غلطی کی، جس کی تفصیل ہم نے ایک دوسری جگہ بیان کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أليس الله بكاف عبده﴾ (زمر: ٣٦) — کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے۔

مذکورہ بیان کے ذریعے یہ استدلال کرنا ہے کہ عبد سے مراد وہ بندہ ہے جس کو اللہ نے اپنے تابع میں کر رکھا ہے، اللہ جس طرح چاہے اس کو گھمائے پھرائے، لہٰذا سب لوگ عباد اللہ کہلائیں گے چاہے وہ نیک ہوں یا بد، مؤمن ہوں یا کافر، جنتی ہوں یا جہنمی کیوں کہ وہ سب لوگوں کا رب اور بادشاہ ہے اس کی مشیت وقدرت اور کلمات تامہ سے کوئی نہیں نکل سکتا چاہے وہ نیک ہو یا بد۔ وہ جو چاہے گا وہی ہوگا چاہے لوگ اسے نہ چاہیں، اسی طرح جس کو لوگ چاہیں اور وہ نہ چاہے تو وہ ہرگز نہیں ہوسکتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿افغير دين الله يبغون وله اسلم من فى السمٰوات والأرض طوعا و كرها وإليه — کیا یہ (کافر) خدا کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں؟ حالانکہ سب اہل آسمان و زمین

یرجعون﴾ (آل عمران:۸۳) بخوشی یا زبردستی سے خدا کے فرمانبردار ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، ان کا خالق ورازق ہے، ان کو جلانے اور مارنے والا ہے، ان کے دلوں کو پھیرنے والا اور ان کے امور میں تصرف کرنے والا ہے۔ اسکے علاوہ ان کا کوئی معبود نہیں، کوئی مالک وخالق نہیں چاہے وہ اس بات کا اعترف کریں یا نہ کریں، چاہے وہ اس بات کو جانیں یا نہ جانیں لیکن اہل ایمان نے تو بہر حال اس چیز کو اچھی طرح سے جان لیا ہے اور اس پر ایمان لائے ہیں۔ اور جو لوگ اس بات سے ناواقف ہیں یا جاننے کے باوجود اس کا انکار کررہے ہیں اور اللہ کے ساتھ تکبّر کا معاملہ اختیار کررہے ہیں، اس کا اقرار نہیں کرتے، اس کی تابعداری نہیں کرتے، جب کہ وہ دل میں جانتے ہیں کہ اللہ ہی ان کا رب اور خالق ہے تو ایسے لوگوں کا انجام بہت برا ہوگا، جیسے کہ اللہ نے فرمایا:

﴿وجحدوا بها واستيقنتها أنفسهم ظلما وعلوا فانظر كيف كان عاقبة انہوں نے انکار کردیا حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے صرف ظلم وتکبر کی بناء پر، پس دیکھ لیجئے

المفسدين﴾ (نمل:١٤) کہ ان فتنہ پردازلوگوں کا انجام کیسا کچھ ہوا۔ اور دوسری جگہ ہے:

﴿الذین آتینا هم الکتاب یعرفونه کما یعرفون ابناء هم وان فریقا منهم لیکتمون الحق وهم یعلمون﴾ (بقرة:١٤٦) جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اسے ایسے ہی پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانے، ان کی ایک جماعت حق کو پہچان کر پھر چھپاتی ہے۔

اور ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فإنهم لا یکذّبونک ولکن الظالمین بآیات الله یجحدون﴾(انعام: ٣٣) سو یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

جب بندے کو یہ چیز معلوم ہوگئی کہ اللہ ہی اس کا رب اور خالق ہے اور اسی کا وہ محتاج ہے تو اسے اپنے رب کی فرمانبرداری و بندگی بھی کرنی چاہیے، اسی سے سوال کرنا چاہیے، اسی سے گریہ وزاری کرنی چاہیے، اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ کبھی اس کے حکم کی اطاعت کرتا ہے اور کبھی اس کی نافرمانی کرتا ہے، کبھی اس کی عبادت کرتا ہے اور کبھی

شیطان و بتوں کی عبادت کرتا ہے تو اس قسم کی بندگی وفرمانبرداری اہل جنت اور اہل جہنم کے درمیان تفریق نہیں کرسکتی اور ایسا آدمی مؤمن نہیں ہوسکتا ہے جیسے کہ اللہ نے فرمایا:

﴿و ما يُومن اكثرهم بالله وهم مشركون﴾ (يوسف: ١٠٦)

ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں۔

مشرکین اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق ہے، لیکن وہ اللہ کے علاوہ کی عبادت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ولئن سالتهم من خلق السماوات والارض ليقولن الله﴾ (زمر: ٣٨)

اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قل لمن الأرض ومن فيها إن كنتم تعلمون، سيقولون لله قل أفلا تذكّرون، قل من ربّ السماوات السبع ورب العرش

پوچھئے تو سہی کہ زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں بتلاؤ اگر جانتے ہو تو وہ فوراً جواب دیں گے کہ اللہ کی، کہہ دیجئے کہ پھر تم

﴿العظيم، سيقولون لله، قل أفلا تتقون، قل من بيده ملكوت كل شيءٍ وهو يجير ولا يجار عليه إن كنتم تعلمون سيقولون لله قل فانىٰ تسحرون﴾ (مومنون: ۸۴-۸۹)

نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ دریافت کیجئے کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت باعظمت عرش کا رب کون ہے تو یہ لوگ جواب دیں کہ اللہ ہی ہے، کہہ دیجئے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔ پوچھئے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے، جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا، اگر تم جانتے ہو تو بتلا دو تو یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے، کہہ دیجئے کہ پھر تم کدھر سے جادو کردیئے جاتے ہو۔

بہت سے لوگ حقیقت یعنی اللہ کے وجود اور اس کے رب ہونے کے بارے میں باتیں کرتے ہیں، اس کی قدرت کا مشاہدہ کرتے ہیں، اور اس حقیقت کو مومن و کافر، نیک و بد سبھی پہچانتے ہیں بلکہ ابلیس بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے جیسے کہ قرآن کریم میں ہے کہ ابلیس نے کہا:

﴿رب فانظرني إلى يوم يبعثون﴾ (ص: ۷۹)

میرے رب مجھے لوگوں کے اٹھ کھڑے ہونے کے دن تک مہلت دے۔

اور کہا:

﴿رب بما أغويتني لأزينن لهم في الأرض ولاغوينهم اجمعين﴾(حجر:۳۹) اے میرے رب !چونکہ تونے مجھے گمراہ کیا ہے مجھے بھی قسم ہے کہ میں بھی زمین میں ان کیلئے معاصی کومزین کروں گا اوران سب کو بہکاؤں گا بھی۔اور کہا:

﴿فبعزتك لاغوينهم اجمعين﴾ (ص:۸۲) پھر تو تیری عزت کی قسم میں ان سب کو یقیناً بہکاؤں گا۔

اور کہا:

﴿ارأيتك هذا الذى كرمت على لان اخرتن إلىٰ يوم القيامة لاحتنكن ذريته الا قليلا﴾ (اسراء:٦٢) اچھا دیکھ لے اسے تونے مجھ پر بزرگی تو دی ہے لیکن اگر مجھے بھی قیامت تک تو نے ڈھیل دی تو میں اس کی اولاد کو بجز بہت تھوڑے لوگوں کے اپنے بس میں کرلوں گا۔ان تمام آیات میں ابلیس نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا رب ہے اور خالق ہے اور دوسرے لوگوں کا بھی خالق ہے۔

اسی طرح اہل جہنم بھی اللہ کو اپنا رب سمجھیں گے جیسے کہ قرآن کریم

میں ہے:

﴿ربنا غلبت علینا شقوتنا و کنا قوماً ضالّین﴾ (مومنون:۱۰٦)

اہل جہنم کہیں گے: اے پروردگار ہماری بدبختی ہم پر غالب آ گئی (واقعی) ہم تھے ہی گمراہ۔

اور اللہ تعالیٰ نے اہل جہنم کے بارے میں فرمایا:

﴿ولو تریٰ اذ وُقفوا علی ربهم قال ألیس هذا بالحق قالوا بلیٰ وربنا﴾ (انعام:۳۰)

اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے، اللہ فرمائے گا کہ کیا یہ امر واقعی نہیں ہے؟ وہ کہیں گے بیشک قسم ہمارے رب کی۔

تو جو شخص اس حقیقت کو جاننے اور دیکھنے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کی سچی فرمانبرداری نہ کرے اس کے دین کو نہ مانے اس کے رسول کی اطاعت نہ کرے تو وہ ابلیس اور اہل جہنم کے جنس سے ہے۔ اور اگر وہ مزید یہ سمجھتا ہے کہ وہ اولیاء اللہ اور اہل معرفت میں سے ہے جن کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کوئی ضرورت نہیں تو وہ سب سے بڑا کافر و ملحد ہے۔

اور اگر کسی نے یہ کہا کہ حضرت خضر علیہ السلام اور ان کے علاوہ سے

دین کا معاملہ ساقط ہو گیا ہے کیوں کہ وہ اہل عرفان میں سے تھے تو اس کا قول کافروں کے قول سے بھی برا ہے۔ درحقیقت سچا عابد بننے کے لئے عبدیت کی دوسری قسم میں داخل ہونا ضروری ہے، وہ یہ کہ صرف اور صرف اللہ کی عبادت کی جائے، اس کے حکم کی اطاعت کی جائے، اس کے رسولوں کی باتوں کو مانا جائے، اس کے مؤمن و متقی بندوں سے دوستی کی جائے اور اس کے دشمنوں سے دشمنی کی جائے۔ اس لئے کہ توحید کا موضوع ''لا الہ الا اللہ'' ہے اور جو شخص اللہ کو رب مانتا ہے لیکن اس کی عبادت نہیں کرتا، یا اس کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کرتا ہے تو وہ صحیح راستے پر نہیں ہے۔

'الــہ' کا مطلب ہے وہ ہستی جس کی پرستش دل سے انتہائی محبت، تعظیم و تکریم اور خوف و امید کے ساتھ کی جائے۔ اور ''عبادت'' وہ ہے جس کو اللہ پسند کرے اور جیسے اللہ کے نیک بندوں نے کیا ہے اور جس کو لے کر انبیاء دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ اور ''عبد'' کا مطلب ہے تابعدار، چاہے وہ تابعداری کا اقرار کرے یا نہ کرے، اس کے اندر مؤمن و کافر دونوں شامل ہیں۔

عبدیت کی ان دو قسموں میں فرق کرنے کے بعد دینی حقائق اور کونی

حقائق (عالم کے وجود کے حقائق) کے درمیان فرق سمجھا جاتا ہے۔ پس دینی حقائق میں صرف اللہ کی عبادت کا حکم ہے، اس کے اوامر کی فرمانبرداری کا حکم ہے جس سے اللہ راضی ہو اور اپنے بندوں کو جنت نعیم سے نوازے۔ اور کونی حقائق میں مؤمن و کافر، نیک و بد سب شامل ہیں اور صرف کونی حقائق کی اتباع کرنے والے کافر وملحد ہیں اور ابلیس لعین کے ساتھی ہیں۔ اور جس نے دینی حقائق میں بعض امور کو اختیار کیا اور بعض کو چھوڑ دیا یا کسی مقام پر اتباع کی اور کسی مقام پر اتباع نہیں کی تو اس کے ایمان میں اسی کے مقدار کمی پیدا ہو جائے گی۔

اس چیز کو سمجھنے میں بہت سے لوگوں نے غلطی کی ہے یہاں تک کہ بہت سے صوفیاء نے لغزش کھائی ہے۔ حضرت عبدالقادر جیلانی رح کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا کہ "بہت سے لوگ جب قضاء وقدر تک پہنچتے ہیں تو رک جاتے ہیں جب کہ اس معاملہ میں میرے لئے دروازہ کھلا ہے۔ میں حق کے ذریعہ حق کی خاطر تقدیر سے جھگڑتا ہوں اور آدمی وہ ہے جو تقدیر سے لڑے نہ کہ وہ جو تقدیر کے سامنے گھٹنا ٹیک دے"۔

حضرت شیخ رح نے جو کہا ہے وہ درست ہے اور اسی چیز کا حکم اللہ اور

اس کے رسول نے دیا ہے، لیکن بہت سے لوگوں نے اس کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ وہ اپنے مشاہدے اور عرفان سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے لوگوں کے معاصی و گناہ کو دیکھ لیا ہے، جس کو اللہ نے ان کے لئے یا لوگوں کے لئے مقدر کر دیا ہے یہاں تک کہ کفر کو بھی۔ اور کہتے ہیں کہ یہ معاصی و کفر در حقیقت اللہ کی مرضی اور قضاء و قدر سے ہوئی ہیں اور ان کے سامنے گھٹنا ٹیک دیتے ہیں، اس کو عبادت اور دین سمجھتے ہیں اور کفار و مشرکین کی طرح یہ کہتے ہیں کہ:

﴿لو شاء الله ما اشركنا ولا آباؤنا ولا حرمنا من شيء﴾ (انعام: ۱۴۸) اگر اللہ چاہتا تو ہم نہ شرک کرتے اور نہ ہی ہمارے آباء اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کرتے۔

﴿انطعم من لو يشاء الله اطعمه﴾ (یس: ۴۷) ہم انہیں کیوں کھلائیں جنہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود کھلا پلا دیتا۔

﴿لو شاء الرحمن ما عبدناهم﴾ (زخرف: ۲۰) اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے۔

اگر وہ ہدایت یافتہ ہوئے تو ان کو یہ چیز معلوم ہو جائے گی کہ تقدیر پر رضامندی کا حکم جس بات پر دیا گیا ہے وہ مصائب ہیں جو ہمیں پہنچتی

ہیں جیسے کہ فقر ومرض اور خوف۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ مـا اصـاب مـن مـصيبة الاباذن الله و من يؤ من بالله يهـد قـلبـه ﴾ (تـغـابن: ١١)

کوئی مصیبت اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں پہنچ سکتی اور جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔

بعض سلف (علقمہ) کا کہنا ہے کہ اس سے مراد وہ آدمی ہے جس پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ جان لیتا ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے، پھر اس پر راضی رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ماأصـاب مـن مصيبة فی الأرض و لا فـی أنفسكم إلا فی كتاب من قبل أن نبرأها إن ذلک عـلـى الله يسير ، لكى لا تأسوا على ما فاتكم و لا تـفـر حـوا بـمـا اتاكم ﴾ (حـــديـــد: ٢٢-٢٣)

نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ تمہاری جانوں میں مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے، یہ کام اللہ پر بالکل آسان ہے تا کہ تم اپنے سے فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہو جایا کرو اور نہ عطا کردہ چیز پر اِترا جاؤ۔

بخاری و مسلم میں یہ حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام نے بحث کی، موسیٰؑ نے کہا کہ تم آدم ہو جس کو اللہ نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا اور تمہارے اندر اپنی روح پھونکی اور فرشتوں سے تمہارا سجدہ کرایا اور ہر چیز کا نام تمہیں سکھایا پھر ہمیں اور اپنے آپ کو جنت سے کیوں نکلوایا؟ حضرت آدمؑ نے کہا کہ تم موسیٰ ہو کہ جس کو اللہ نے اپنی رسالت اور کلام کے لئے چن لیا تو کیا تم یہ مانتے ہو کہ یہ چیز میری پیدائش سے پہلے لکھ دی گئی تھی؟ موسیٰؑ نے کہا ہاں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت آدمؑ حضرت موسیٰؑ سے جیت گئے''۔ یہاں حضرت آدمؑ نے حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں تقدیر کو دلیل یہ سمجھ کر نہیں بنایا کہ خطا کار تقدیر کو دلیل بنائے، یہ بات کوئی بھی مسلم اور عاقل نہیں کہے گا اور اگر یہی بات عذر ہوتی تو ابلیس، قوم نوح، قوم ہود اور ہر کافر کے لئے عذر بن سکتی ہے۔

اسی طرح سے حضرت موسیٰؑ نے بھی حضرت آدمؑ کو اس بات پر ملامت نہیں کی تھی کہ انہوں نے گناہ کا ارتکاب کیا اس لئے کہ آدمؑ نے توبہ کر لی تھی، چنانچہ اللہ نے ان کو چن لیا اور انہیں ہدایت دی۔ بلکہ انہوں نے ملامت اس مصیبت کی وجہ سے کہ تھی جو لوگوں کو ان کی غلطی

کی وجہ سے پہنچی ، اسی لئے انہوں نے کہا کہ آپ نے ہمیں اور اپنے نفس کو جنت سے کیوں نکالا ، تو آدمؑ نے کہا کہ یہ چیز تو میری پیدائش سے پہلے لکھ دی گئی تھی۔

لہٰذا عمل اور اس پر مصیبت مقدر تھی اور جو مصیبت مقدر ہو اس کے سامنے گھٹنا ٹیکنا ضروری ہے اور یہ اللہ کو رب ماننے پر کامل رضامندی کا اظہار ہے۔ اور جہاں تک گناہ کا سوال ہے تو بندے کے لئے مناسب نہیں کہ وہ گناہ کرے اور اگر اس سے گناہ سرزد ہو جائے تو توبہ واستغفار کرے پھر گناہوں سے بچے اور مصائب پر صبر کرے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فاصبر ان وعد الله حق واستغفر لذنبک﴾ (مؤمن: ۵۵)

پس اے نبی صبر کیجئے اللہ کا وعدہ بلا شک وشبہ سچا ہی ہے اور اپنے گناہ سے معافی مانگتے رہئے۔

اور فرمایا:

﴿وان تصبروا وتتقوا لا یضرکم کیدھم شیئا﴾ (آل عمران: ۱۲۰)

تم اگر صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو ان کا مکر تمہیں کچھ نقصان نہ دے گا۔

اور فرمایا:

﴿وان تصبروا وتتقوا فان ذلک من عزم الامور﴾ (آل عمران : ١٨٦)	اور اگر تم صبر کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو یقیناً یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

اور حضرت یوسفؑ نے کہا:

﴿انه من یتق و یصبر فإن الله لا یضیع اجر المحسنین﴾ (یوسف: ٨٠)	بات یہ ہے کہ جو بھی پرہیز گاری اور صبر کرے تو اللہ تعالیٰ کسی نیکوکار کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

پہلی فصل

امر بالمعروف واجب ہے

بندے کے اوپر واجب ہے کہ وہ حسب استطاعت بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور اللہ کے راستے میں کفار و منافقین سے جہاد کرے، اللہ کے نیک بندوں سے دوستی کرے اور اللہ کے دشمنوں سے دشمنی کرے، اللہ ہی کی خاطر محبت کرے اور اللہ ہی کی خاطر دشمنی کرے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿یاأیها الذین آمنوا لا تتخذوا عدوّی و عدوّکم اولیاء تلقون إلیهم بالمؤدّة وقد کفروا بما جاء کم من الحق یخرجون الرسول وایاکم، أن تؤمنوا بالله ربکم إن کنتم خرجتم جهادا فی سبیلی وابتغاء مرضاتی تسرّون إلیهم

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو میرے اور اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ، تم تو دوستی سے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو اور وہ اس حق کا جو تمہارے پاس آچکا ہے کفر کرتے ہیں، پیغمبر کو اور خود تمہیں بھی محض اس وجہ سے جلا وطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب پر

بالمؤدّة وانا أعلم بما أخفيتم وما أعلنتم ومن يفعله منكم فقد ضلّ سواء السبيل إن يثقفوكم يكونوا لكم أعداء ويبسطوا إليكم أيديهم وألسنتهم بالسوء وودّوا لو تكفرون،لن تنفعكم أرحامكم ولاأولادكم يوم القيامة يفصل بينكم والله بما تعملون بصير، قد كانت لكم أسوة حسنة في إبراهيم والذين معه إذ قالوا لقومهم إنا براؤا منكم ومما تعبدون من دون الله، كفرنا بكم وبدا بينناوبينكم العداوة والبغضاء أبداحتى تؤمنوا بالله وحده﴾

(ممتحنة: ١-٤)

ایمان رکھتے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد کے لئے اور میری رضامندی کی طلب میں نکلتے ہو (تو ان سے دوستیاں نہ کرو) تم ان کے پاس محبت کا پیغام پوشیدہ پوشیدہ بھیجتے ہواور مجھے خوب معلوم ہے جو تم نے چھپایا اور وہ بھی جو تم نے ظاہر کیا، تم میں سے جو بھی اس کام کو کرے گا وہ یقیناً راہ راست سے بہک جائے گا، اگر وہ تم پر کہیں قابو پالیں تو وہ تمہارے (کھلے) دشمن ہو جائیں، اور برائی کے ساتھ تم پر دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں، اور (دل سے) چاہنے لگیں کہ تم بھی کفر کرنے لگ جاؤ، تمہاری

قرابتیں، رشتہ داریاں اور اولاد قیامت کے دن تمہارے کام نہ آئیں گی، اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کردے گا اور جو کچھ تم کر رہے ہو اسے اللہ خوب دیکھ رہا ہے۔ (مسلمانوں) تمہارے لئے حضرت ابراہیمؑ میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں، ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لاتجد قوما يؤمنون بالله واليوم الآخر يوادّون من حادالله ورسوله ولو كانوا آباؤهم أو أبناؤهم أو إخوانهم او عشيرتهم، اولئك كتب في قلوبهم الإيمان وأيّدهم بروح منه﴾ (مجادلة: ۲۲)

اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے، گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبے (قبیلے) کے (عزیز) ہی کیوں نہ ہوں، یہی

لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا اور جن کی تائید اپنی روح سے کی۔ اور فرمایا:

﴿افنجعل المسلمین کالمجرمین﴾ (قلم:۳۵) کیا ہم مسلمانوں کو مثل گنہگاروں کے کر دیں گے۔

اور فرمایا:

﴿أم نجعل الذین آمنوا وعملوا الصالحات کالمفسدین فی الأرض أم نجعل المتقین کالفجار﴾ (ص:۲۸) کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے برابر کر دیں گے جو (ہمیشہ) زمین میں فساد مچاتے رہے یا پرہیز گاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟۔ اور فرمایا:

﴿أم حسب الذین اجترحوا السیئات أن نجعلهم کالذین آمنوا وعملوا الصالحات سواءً محیاهم ومماتهم ساء ما یحکمون﴾ (جاثیة:۲۱) کیا ان لوگوں کو جو برے کام کرتے ہیں یہ گمان ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے کہ ان کا مرنا جینا یکساں ہو جائے، برا ہے وہ فیصلہ جو وہ کر رہے ہیں۔

اورفرمایا:

﴿وما يستوى الأعمىٰ والبصير ولا الظلمات ولا النور ولا الظل ولا الحرور وما يستوى الأحياء ولا الأموات﴾(فاطر:۱۹-۲۰)

اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہو سکتے اور نہ تاریکی اور روشنی، اور نہ چھاؤں اور دھوپ اور نہ زندے اور مردے برابر ہو سکتے ہیں۔

اورفرمایا:

﴿ضرب الله مثلا رجلا فيه شركاء متشاكسون ورجلا سلما لرجل هل يستويان مثلا﴾(زمر:۲۹)

اللہ تعالیٰ مثال بیان فرمارہا ہے ایک وہ شخص جس میں بہت سے باہم ضد رکھنے والے ساجھی ہیں اور دوسرا وہ شخص جوصرف ایک ہی کا (غلام) ہے کیا یہ دونوں صفت میں یکساں ہیں۔اورفرمایا:

﴿ضرب الله مثلا عبدا مملوكا لا يقدر على شيء ومن رزقناه منا رزقا حسنا فهو ينفق منه سرا وجهرا هل

اللہ تعالی ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک غلام دوسرے کی ملکیت ہے جو کسی بات کا اختیار نہیں رکھتا اور ایک اور شخص ہے

یستوون ،الحمدلله بل أكثرهم لا يعلمون .وضرب الله مثلا رجلين أحدهما أبكم لا يقدر علىٰ شيءٍ وهو كل علىٰ مولاه أينما يوجهه لا يأت بخير هل يستوي هو ومن يأمر بالعدل وهو علىٰ صراط مستقيم﴾ (نحل:۷۵-۷۶)

جسے ہم نے اپنے پاس سے معقول روزی دے رکھی ہے جس میں سے وہ چھپے، کھلے خرچ کرتا ہے کیا یہ سب برابر ہو سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سب تعریف ہے بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے ۔اللہ تعالیٰ ایک اور مثال بیان فرماتا ہے دو شخصوں کی جن میں سے ایک تو گونگا ہے اور کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا بلکہ وہ اپنے مالک پر بوجھ ہے کہیں بھی وہ اسے بھیجے وہ کوئی بھلائی نہیں لاتا کیا یہ اور وہ جو عدل کا حکم دیتا ہے اور ہے بھی سیدھی راہ پر برابر ہو سکتے ہیں۔اور فرمایا:

﴿لا يستوي أصحاب النار وأصحاب الجنة أصحاب الجنة هم الفائزون﴾ (حشر:۲۰)

اہل نار اور اہل جنت (باہم) برابر نہیں، جو اہل جنت ہیں وہی کامیاب ہیں۔

اسی طرح سے اللہ نے اہل حق اور اہل باطل، اہل اطاعت اور اہل معصیت، اہل بر اور اہل فجور، اہل ہدایت اور اہل ضلالت، اہل صدق

اور اہل کذب کے درمیان تفریق کی ہے اور جو لوگ عالم وجود کے مشاہدے کے دعویدار ہیں اور حقائق دینیہ کے منکر ہیں (جیسے بعض صوفیاء کہتے ہیں) انہوں نے اس تفریق کو ختم کر دیا ہے، یہاں تک کہ اللہ اور بتوں کے درمیان تفریق ختم کر دی ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿تاللہ إن کنا لفی ضلال مبین إذ نسویکم برب العالمین﴾ (شعراء:۹۸) قسم اللہ کی ہم تو کھلی غلطی پر تھے جب کہ تمہیں رب العالمین کے برابر سمجھ بیٹھے تھے۔

بلکہ انہوں نے تو اللہ کو ہر مخلوق کے برابر کر دیا ہے اور عبادت و اطاعت جس کا مستحق صرف اللہ ہے ہر مخلوق کے لئے جائز قرار دیا ہے۔ جب وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا وجود ہی ساری مخلوقات کا وجود ہے۔ (عقیدہ وحدت الوجود رکھنے والے صوفیاء کی طرف اشارہ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ کا وجود حقیقی ہے اور ساری موجودات کے وجود کی کوئی حقیقت نہیں لہٰذا ہر چیز اللہ ہے۔)

یہ تو بہت بڑا کفر والحاد ہے وہ اپنے کو خدا کا بندہ اس کی عبادت کرنے والا اور تابعدار نہیں سمجھتے، بلکہ وہ خود کو حق اور اللہ کہتے ہیں، جیسے کہ ابن

عربی اور ابن سبعین وغیرہ نے کہا ہے۔ وہ اپنے آپ کو عابد بھی کہتے ہیں اور معبود بھی۔ یہ حقیقت کا مشاہدہ وعرفان نہیں ہے نہ ہی عالم وجود کی حقیقت کا اور نہ ہی دینی حقیقت کا بلکہ کھلم کھلا گمراہی ہے، کیونکہ انہوں نے خالق کے وجود کو مخلوق کا وجود بتایا ہے اور ہر اچھے اور برے صفت کو خالق اور مخلوق دونوں کی طرف منسوب کیا ہے، اور کہتے ہیں کہ خالق کا وجود مخلوق کا وجود ہے اور مخلوق کا وجود خالق کا وجود ہے۔ البتہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے چاہے عوام ہوں یا خواص جنہیں اہل قرآن کہا گیا ہے، جیسے کہ حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''ان لله اهلين من الناس'' لوگوں میں بعض لوگ اللہ والے ہیں۔

صحابہ کرام نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول وہ کون لوگ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ اہل قرآن ہیں جو اللہ والے اور اس کے خاص لوگ ہیں۔

یہ لوگ جانتے ہیں کہ اللہ ہی ہر چیز کا رب، بادشاہ اور خالق ہے اور خالق مخلوق سے الگ ہے، نہ تو وہ مخلوق کے اندر حلول کئے ہوئے ہے اور نہ ہی ان سے ملا ہوا ہے اور نہ ہی اس کا وجود مخلوق کا وجود ہے۔ نصاریٰ کو اللہ تعالیٰ نے کافر قرار دیا جب انہوں نے یہ کہا کہ اللہ حضرت مسیح کے اندر حلول کئے ہوئے ہے اور ان کی ذات سے ملا ہوا ہے، تو جو

ہرمخلوق کے اندر خدا کے حلول کرنے کی بات کرے اس کے بارے میں اللہ کا کیا فیصلہ ہوگا جب کہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اور اپنی اور اپنے رسول کی نافرمانی سے منع کیا ہے، اور وہ فساد پسند نہیں کرتا اور اپنے بندے کے لئے کفر کو ناپسند کرتا ہے۔ اور مخلوق کے اوپر واجب ہے کہ اس کی عبادت کرے، اور اس کے حکم کی اطاعت کرے، اور اسی سے مدد مانگے، جیسا کہ سورہ فاتحہ میں ہے:

﴿ایاک نعبد و ایاک نستعین﴾ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔

اللہ کی عبادت و اطاعت میں سے ہی امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور اللہ کے راستے میں اہل کفر و نفاق سے جہاد کرنا ہے۔ اللہ کے مومن بندے اس کے ذریعے دین کو قائم کرتے ہیں اور برائیوں کو زائل کرتے ہیں، جیسے کہ آدمی کھانے سے بھوک کو زائل کرتا ہے اور لباس سے ٹھنڈی کو دور کرتا ہے، اسی طرح سے ہر مطلوب چیز سے مکروہ چیز دور کی جاتی ہے جیسا کہ صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہم دوا کرتے ہیں، جھاڑ پھونک کرتے ہیں اور پرہیز کرتے

ہیں تو کیا یہ چیزیں تقدیر الٰہی کی مخالفت نہیں کرتیں؟ آپ ؐ نے فرمایا کہ یہ بھی تو تقدیر الٰہی ہے (کہ یہ ساری چیزیں اپنا اثر دکھاتی ہیں) (ترمذی)

ایک حدیث میں ہے کہ دعا اور بلاء آسمان اور زمین کے درمیان ملتے ہیں اور ایک دوسرے سے جھگڑا کرتے ہیں۔ (رواہ الحاکم ۱/۴۹۲ والبزاز ۲۱٦۵)

یہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والوں اور اللہ کی عبادت کرنے والوں کا حال ہوتا ہے اور یہ سب عبادت ہے۔

اور جو لوگ عالم وجود کے مشاہدہ کرنے کا دعوی کرتے ہیں اور اسی کی وجہ سے احکام شرعیہ کو ساقط سمجھتے ہیں، وہ گمراہی پر ہیں اور ان کی گمراہی کے مختلف مراتب ہیں۔ ان میں سے جو غالی ہیں وہ مطلقا احکام شرعیہ کو ساقط سمجھتے ہیں اور شریعت کے خلاف جو کام کرتے ہیں اس میں تقدیر کو دلیل بناتے ہیں ان لوگوں کا قول یہود ونصاری کے قول سے بھی برا ہے، بلکہ مشرکین کے قول کے مشابہ ہے جیسے کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿لو شاء الله ما اشركنا ولا آباؤنا ولا حرمنا من شيءٍ﴾ (انعام: ١٤٨)

اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے آباء شرک نہ کرتے اور نہ کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔

اور ایک جگہ ہے:

﴿لوشاء الرحمن ما عبدنا هم﴾ (زخرف: ۲۰) اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے۔

ان کا بیان انتہائی متضاد ہے بلکہ جو بھی تقدیر کو دلیل بنائے اس کی باتیں متضاد ہیں کیونکہ اگر کوئی آدمی ظلم کرے، لوگوں کا خون بہائے، زنا کرے، لوگوں کو برباد کرے تو ایسی تقدیر کا دفع کرنا بہت ضروری ہے اور واجب ہے کہ ظالم کو سزا دی جائے، اس کا ہاتھ ظلم سے روکا جائے، لہٰذا اگر تقدیر کو دلیل بنایا جائے گا تو ہر آدمی جو چاہے گا وہ کرے گا اور اس کو اس کے حال پر چھوڑنا پڑے گا اور یہ انتہائی باطل دلیل ہے۔

اس بات کے کہنے والے جو حقائق کونیہ کو دلیل بناتے ہیں نہ تو اس بات کو پوری طرح رد کرتے ہیں اور نہ ہی اس کو پوری طرح پکڑتے ہیں بلکہ اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں جیسا کہ بعض علماء نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ یہ لوگ طاعت کے وقت قدری بن جاتے ہیں اور معصیت کے وقت جبری بن جاتے ہیں۔

ان صوفیاء میں سے بعض وہ ہیں جو اہل عرفان اور اہل تحقیق ہونے کا دعوی کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ امر ونھی (احکام شریعت) پر عمل کرنا

اس شخص کے لئے لازم ہے جس نے اپنے نفس کے لئے افعال کا صرف مشاہدہ کیا ہو، لیکن جس شخص نے یہ مشاہدہ کیا کہ اس کے افعال مخلوق ہیں اور وہ اس کے کرنے پر مجبور ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کے اندر تصرف کرنے والا ہے تو اس سے امر و نہی (احکام شریعت) اور وعد و وعید ساقط ہو جائیں گے۔ ان کا کہنا ہے کہ جس نے ارادے کا مشاہدہ کیا اسے مکلّف نہیں بنایا جائے گا، ان کا کہنا ہے کہ حضرت خضرؑ احکام شرعیہ کے مکلّف نہیں تھے کیوں کہ انہوں نے ارادے کا مشاہدہ کیا تھا۔ ان صوفیاء کے یہاں کچھ عام لوگ ہیں اور کچھ خاص لوگ، پس جن لوگوں نے حقائق کونیہ کا مشاہدہ کیا ہے وہ خاص لوگ ہیں (جن کو علماء حقیقت، علماء باطن، علماء غیب، اہل اللہ، اہل الکشف اور عارفین باللہ وغیرہ کہا کرتے ہیں) انہوں نے اس بات کا مشاہدہ کر لیا ہے کہ اللہ بندے کے افعال کا خالق ہے اور تمام کائنات کا مدبر ہے اور وہی ارادہ کرنے والا ہے۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کچھ لوگ صرف جانتے ہیں اور کچھ لوگ جاننے کے ساتھ اس کا مشاہدہ بلا واسطہ کرتے ہیں، تو جو لوگ صرف جانتے ہیں ان سے احکام شرعیہ ساقط نہیں ہوں گے بلکہ ان پر عمل کرنا واجب ہوگا۔

اور جولوگ تقدیر کا مشاہدہ کرتے ہیں ان سے احکام شرعیہ پر عمل ساقط ہو جائے گا اور ان کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح سے وہ جبر و قدر کو شرعی احکام پر عمل کرنے سے روکنے والی ایک چیز مانتے ہیں اور بہت سے عرفان اور تحقیق کا دعویٰ کرنے والے اس مسئلہ میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔

معتزلہ امر و نہی (احکام شرعیہ) کو ثابت کرتے ہیں اور قضا و قدر کا انکار کرتے ہیں۔

اور یہ لوگ قضاء و قدر کو ثابت کرتے ہیں اور امر و نہی کا انکار کرتے ہیں اس شخص کے لئے جس نے تقدیر کا مشاہدہ کیا ہو۔

ان لوگوں کا قول معتزلہ کے قول سے بھی برا ہے اور سلف صالحین کے طریقے کے خلاف ہے۔ یہ لوگ امر و نہی (احکام شرعیہ) کی پابندی انہیں لوگوں کے لئے لازم مانتے ہیں جنہوں نے عالم وجود کے حقائق کا مشاہدہ نہیں کیا ہے، اور جس نے عالم وجود کے حقائق کا مشاہدہ کیا ہے اس سے احکام شرعیہ کی پابندی کو ساقط قرار دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ اہل الخواص میں سے ہیں۔ اور کبھی کبھی قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہیں:

﴿ و اعبد ربک حتی یاتیک الیقین ﴾ (حجر:۹۹) اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔ یہاں یقین سے مراد ان کے نزدیک موت نہیں بلکہ اس حقیقت کی معرفت ہے۔

ان لوگوں کی باتیں صراحتاً کفر پر مبنی ہیں، اگر چہ ایک جماعت یہ نہیں سمجھتی ہے کہ یہ کفر ہے۔ کیونکہ امر و نہی (احکام شرعیہ) کی پابندی ہر بندے پر واجب ہے جب تک کہ وہ عقل سلیم کا مالک ہے اور جب تک کہ اسے موت نہیں آتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں اس سے کبھی ساقط نہیں ہو سکتیں خواہ اس نے تقدیر کا مشاہدہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اسلامی قوانین کے مطابق ایسے شخص کو پہلے حقیقت بتائی جائے گی پھر اگر وہ نہیں مانتا ہے اور احکام شرعیہ کے ساقط ہونے پر اصرار کرتا ہے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔

متأخرین علماء نے اس کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے جب کہ متقدمین علماء کے یہاں اس کے بارے میں کچھ نہیں ملتا ہے۔

اس قسم کے مقالات در حقیقت اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کو ظاہر کرتے ہیں، اس کے راستے سے روکتے ہیں، اس کے رسولوں کی

تکذیب کرتے ہیں، اس کے احکام کی مخالفت کرتے ہیں اگرچہ وہ اس کو غلط نہیں سمجھتا بلکہ رسولوں کا طریقہ سمجھتا ہے اور اہل تحقیق، اولیاء اللہ کا طریقہ سمجھتا ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ نماز اس کے اوپر واجب نہیں کیوں کہ وہ اس سے مستغنی ہے اپنے دل کی خاص کیفیت کی وجہ سے، یا شراب اس کے لئے حلال ہے کیونکہ وہ بندگان خاص میں سے ہے جن کو شراب پینا نقصان نہیں پہونچائے گا، یا زنا اس کے لئے جائز ہے کیوں کہ وہ ایسا سمندر ہے جس کو کوئی گناہ گدلا نہیں کرے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مشرکین نے بھی جو کہ رسولوں کو جھٹلاتے تھے اللہ کی شریعت کی مخالفت کی نئی نئی باتیں گڑھیں اور تقدیر کو اس پر دلیل بنایا اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کرتے ہیں، یہ نئی نئی باتیں اگڑھتے ہیں اور تقدیر کو اس پر دلیل بناتے ہیں جیسے کہ اللہ نے فرمایا کہ:

﴿ و اذا فعلوا فاحشة قالوا وجدنا عليها آباء نا و الله أمرنا بها قل ان الله لا يأمر بالفحشاء اتقولون على الله

اور وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقے پر پایا ہے اور اللہ نے بھی ہم کو یہی بتا

مالا تعلمون ﴾ (اعراف: ۲۸) یا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ فحش بات کی تعلیم نہیں دیتا، کیا اللہ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کی تم سند نہیں رکھتے۔ اور ایک جگہ فرمایا:

﴿سیقول الذین اشرکوا لو شاء اللہ ما اشرکنا و لا آباؤنا و لا حرمنا من شیء﴾ (انعام: ۱۴۹)

مشرکین کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے آباء شرک نہ کرتے اور نہ کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔

مشرکین نے ایسا دین گھڑا جس کے اندر انہوں نے حرام چیز کو حلال ٹھہرایا اور اللہ کی عبادت غلط طریقے سے کرنے لگے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ و قالوا ھٰذہ أنعام و حرث حجر لا یطعمھا الا من نشاء بزعمھم و انعام حرمت ظھور ھا و انعام لا یذکرون اسم اللہ علیھا افتراءً علیہ سیجزیھم

اور وہ اپنے خیال پر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کچھ مویشی اور کھیت ہیں جن کا استعمال ہر شخص کو جائز نہیں، ان کو کوئی نہیں کھا سکتا سوائے ان کے جن کو ہم چاہیں، اور کچھ مویشی ہیں جن پر سواری یا بار برادری حرام

﴿بما کانوا یفترون﴾ (انعام: ۱۳۹)

کردی گئی اور کچھ مویشی ہیں جن پر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے محض اللہ پر افترا باندھنے کے طور پر، اللہ تعالیٰ عنقریب ان کو انکے افترا کی سزا دے گا۔ اور سورہ اعراف میں ہے:

﴿یا بنی آدم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنة﴾ الی قوله ﴿و اذا فعلوا فاحشة قالوا وجدنا علیها آباء نا و الله امرنا بها قل ان الله لا یامر بالفحشاء اتقولون علی الله ما لا تعلمون﴾ (اعراف ۲۷-۳۳)

اے اولاد آدم! شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے جیسے کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے باہر کرا دیا ایسی حالت میں کہ ان سے لباس بھی اتروا دیا تا کہ وہ ان کو ان کی شرمگاہیں دکھائے وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھ سکتے، ہم نے شیطانوں کو انہی لوگوں کا دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ اور وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقے پر پایا ہے اور اللہ نے بھی ہم کو یہی بتایا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ فحش بات کی تعلیم نہیں دیتا، کیا

اللہ کے ذمے ایسی بات لگاتے ہو جس کی تم سند نہیں رکھتے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے حکم دیا ہے انصاف کا اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا (قبلے کی طرف) رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طور پر کرو کہ اس عبادت کو خالص اللہ ہی کہ واسطے رکھو، تم کو اللہ نے جس طرح شروع میں پیدا کیا تھا اسی طرح تم دوبارہ پیدا ہو گے، بعض لوگوں کو اللہ نے ہدایت دی ہے اور بعض لوگوں پر گمراہی ثابت ہوگئی ہے، ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطانوں کو دوست بنالیا ہے اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ راہ راست پر ہیں۔ اے اولاد آدم! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنے تئیں مزین کرلیا کرو اور خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو، بیشک اللہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ آپ پوچھئے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے اسباب زینت کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ یہ اشیاء دنیوی زندگی میں مومنوں کے لئے ہیں، اور قیامت کے دن خاص انہیں کا حصہ ہوں گی۔ ہم اسی طرح تمام آیات کو سمجھ داروں کے واسطے صاف بیان کرتے ہیں ۔آپ فرمایئے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے تمام فحش

باتوں کوظاہر ہوں یاپوشیدہ اور گناہوں کواور ناحق زیادتی کواور اس بات کوکہ تم اللہ کے سامنے کسی ایسی چیز کوشریک ٹھہراؤجس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کوکہ تم اللہ کے ذمے ایسی بات لگادوجس کوتم جانتے نہیں۔

یہ لوگ بدعت کوبھی حقیقت کہتے ہیں، جس طرح تقدیر کے دیکھنے کو حقیقت کہتے ہیں، حقیقت کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ علماء حقیقت کے لئے احکام شرعیہ کی پابندی ضروری نہیں بلکہ وہی کافی ہے جووہ دیکھتے ہیں۔یا جووہ اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں خواہ وہ دل اللہ سے غافل ہی کیوں نہ ہو۔ یہ لوگ مطلق تقدیر کوحجت نہیں بناتے ہیں بلکہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور اسی کوحقیقت کہتے ہیں اور اسی کی اتباع کا حکم دیتے ہیں نہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی اتباع کا۔ ان کا قول اہل الکلام میں جہمیۃ وغیرہ کے قول کے مشابہ ہے، جنہوں نے کتاب وسنت کے مخالف اقوال کوحقائق عقلیہ مانا ہے اور کتاب وسنت کی تحریف کی ہے، یا اس سے مطلقاً اعراض کیا ہے، وہ کتاب وسنت کوسمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ ہم اس کا معنی اللہ کے سپرد کرتے ہیں، جب کہ وہ اس کے خلاف معنی ومراد پر

اعتقادرکھتے ہیں۔

وہ جن حقائق عقلیہ کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں جوکہ کتاب وہ سنت کے مخالف ہے اگر اس کے اندر تحقیق کی جائے تو پتہ چلے گا کہ وہ جہالت ہے اور فاسد عقیدہ ہے۔

اسی طرح صوفیاء میں علماء حقائق جن کے مشاہدے کا دعویٰ کرتے ہیں اگراس کے اندر تحقیق کی جائے تو پتہ چلے گا کہ وہ صرف اپنے نفس کی اتباع کرتے ہیں جو کتاب وسنت کے مخالفت ہے،اور جس کی اتباع صرف اعداء اللہ ہی کریں گے نہ کہ اولیاء اللہ۔

درحقیقت ان لوگوں کی گمراہی کی اصل وجہ یہ ہے کہ انہوں نے قیاس کونص صریح پر ترجیح دی اوراپنی خواہشات کی اتباع کواللہ کے حکم کی اتباع پر مقدم رکھا۔

معاملہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنی محبت وچاہت کے مطابق ذوق وشوق رکھتا ہے،لہٰذا اہل ایمان کا ذوق وشوق اسی طرح ہے جس طرح کہ نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں بیان کی ہے ”تین چیزیں جس کے اندرہوں وہ ایمان کی مٹھاس پاتا ہے،ایک یہ کہ اس کے نزدیک اللہ اور اس کے رسول ساری چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں،دوسرے یہ کہ اللہ

ہی کی خاطر وہ کسی شخص سے محبت کرے، تیسرے یہ کہ کفر سے نکلنے کے بعد کفر کی طرف لوٹنا اس کے لئے ایسے ہی ناگوار ہو جیسے کہ وہ آگ میں ڈالا جانا ناپسند کرتا ہے۔ (بخاری) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا کہ ''ایمان کا مزہ اس شخص نے چکھا جو اللہ کو رب ماننے پر راضی ہو، اور اسلام کو دین ماننے پر، اور محمد ﷺ کو نبی ماننے پر''۔ (مسلم)

اور کافر، بدعتی اور اپنی خواہشات کی اتباع کرنے والے اپنی چاہت ومحبت کا اظہار اپنے ذوق وشوق کے مطابق کرتے ہیں۔ سفیان بن عیینہ سے کہا گیا کہ کیا بات ہے کہ یہ عشاق اپنی محبت کا بہت دم بھرتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس قول کو بھول گئے ہو:

﴿واشربوا فی قلوبھم العجل بکفرھم﴾ (بقرہ:۹۳)	ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت (گویا) پلا دی گئی بسبب ان کے کفر کے۔

لہٰذا بت پرست اپنے معبودوں سے محبت ایسے ہی کرتے ہیں جیسے کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿و من الناس من یتخذمن دون اللہ انداداً یحبونھم	اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان

كحب الله والذين آمنوا اشد حبا لله﴾ (البقرہ: ١٦٥)

سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیئے، اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فان لم يستجيبوا لك فاعلم انما يتبعون أهواء هم ومن اضل ممن اتبع هواه بغير هدىً من الله﴾ (قصص: ٥٠)

پھر اگر یہ تیری نہ مانیں تو تو یقین کرلے کہ یہ صرف اپنی خواہش کی پیروی کررہے ہیں، اور اس سے بڑھ کر بہکا ہوا کون ہے جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا ہو بغیر اللہ کی رہنمائی کے۔اور فرمایا:

﴿ان يتبعون الا الظن وما تهوى الانفس ولقد جاء هم من ربهم الهدى﴾ (نجم: ٢٣)

یہ لوگ تو صرف اٹکل اور اپنی نفسانی خواہش کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔

اسی لئے یہ لوگ جھومتے ہیں اور شعر ونغمہ سننا پسند کرتے ہیں، جو ان کی محبت میں ہیجان پیدا کرتا ہے۔ یہ محبت اہل ایمان کی محبت سے بالکل مختلف ہے، یہ لوگ تو صرف اپنی خواہشات کی اتباع کرتے ہیں

اور کتاب وسنت کونظر انداز کرتے ہیں اور سلف صالحین کے طریقے کی مخالفت کرتے ہیں۔لہٰذا جو شخص اللہ کی عبادت اور اس کے رسول کی اطاعت کی مخالفت کرے وہ صحیح معنوں میں اللہ کے دین کا متبع نہیں ہوسکتا، جیسے کہ اللہ نے فرمایا:

﴿ثم جعلناک علی شریعة من الامر فاتبعها ولا تتبع اهواء الذين لا يعلمون انهم لن يغنوا عنک من الله شيئا وان الظالمين بعضهم اولياء بعض والله ولی المتقين﴾ (جاثیة:۱۸-۱۹)

پھر ہم نے آپ کو دین کی (ظاہر) راہ پر قائم کر دیا سو آپ اس پر لگے رہیں اور نادانوں کی خواہشات کی پیروی میں نہ پڑیں یہ لوگ ہرگز اللہ کے سامنے آپ کے کچھ کام نہیں آسکتے۔اور ظالم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں اور پرہیزگاروں کا کارساز اللہ تعالیٰ ہے۔

ایسا شخص تو بغیر اللہ کی ہدایت کے اپنی خواہشات کا متبع ہے جیسے کہ اللہ نے فرمایا:

﴿أم لهم شرکاء شرعوا لهم من الدين ما لم ياذن به الله﴾

کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک مقرر کر رکھے ہیں

(شوریٰ : ۲۱) جنہوں نے ایسے احکام دین مقرر کردیئے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔

یہ لوگ درحقیقت ایک بدعت پر عمل کرتے ہیں، جس کو بزعم خود ''حقیقت'' کہتے ہیں اور اس کو اللہ کی شریعت پر مقدم قرار دیتے ہیں۔ اور کبھی تقدیر کو شریعت کے مقابلہ میں دلیل بناتے ہیں۔ ان صوفیاء میں بعض ان کے نزدیک بڑے مرتبے والے ہیں۔ یہ لوگ مشہور فرائض کی ادائیگی اور مشہور محرمات سے بچنے میں اپنی خواہشات کے مطابق دین کو تو لازم پکڑتے ہیں مگر اسباب جس کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جو کہ عبادت ہے اس کو چھوڑ دیتے ہیں، ان کا یہ گمان ہے کہ جب اہل عرفان تقدیر کا مشاہدہ کر لیتے ہیں تو اب انہیں اسباب اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مثال کے طور پر توکل اور دعا وغیرہ ان کے نزدیک مقامات عامہ میں سے ہیں نہ کہ مقامات خاصہ میں سے، اور جس نے تقدیر کا مشاہدہ کر لیا اس کو دعا وغیرہ کرنے کی ضرورت نہیں، یہ کھلم کھلا گمراہی ہے، کیونکہ اللہ نے اشیاء کو ان کے اسباب کے ساتھ مقدر کیا ہے جیسے کہ نیک بختی اور بدبختی کو ان کے اسباب کے ساتھ مقدر کر دیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ''اللہ نے جنت کے لئے اہل جنت کو

پیدا کیا ہے اور اس جنت کو ان کے لئے اس وقت پیدا کیا ہے جبکہ وہ اپنے باپ دادا کی ریڑھ کی ہڈی میں تھے اور وہ اہل جنت ہی کا عمل کریں گے۔اور جہنم کے لئے اہل جہنم کو پیدا کیا ہے اور اس جہنم کو ان کے لئے اس وقت پیدا کیا ہے جبکہ وہ اپنے باپ دادا کی ریڑھ کی ہڈی میں تھے اور وہ اہل جہنم ہی کا کام کریں گے"۔ (مسلم)

اسی طرح سے جب رسول اللہ نے صحابہ کرام کو یہ بتایا کہ اللہ نے تقدیر لکھ دیا ہے تو انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول کیا ہم عمل کرنا چھوڑ دیں اور تقدیر پر بھروسہ کرلیں تو آپؐ نے فرمایا ''نہیں، تم عمل کرو اسلئے کہ ہر شخص کے لیے وہ چیز آسان کر دی جاتی ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے، پس جو لوگ نیک بخت ہیں ان کے لئے نیک بخت لوگوں کے کام آسان بنا دیئے جاتے ہیں اور جو بد بخت ہیں ان کے لئے بد بخت لوگوں کے کام آسان بنا دیئے جاتے ہیں"۔(بخاری)

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ عبادت ہے اور اس عبادت کو اختیار کرنے کے بعد اللہ پر توکل ضروری ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فاعبده و توكل عليه ﴾ پس تم اسی کی عبادت کرو اور اسی پر

(هـــــــــود: ۲۲) بھروسہ رکھو۔

ایک دوسری جگہ فرمایا:

﴿قل هو ربی لا اله الا هو علیه توکلت و الیه متاب﴾ (رعـــــــــد: ۳۰) آپ کہہ دیجئے کہ میرا پالنے والا تو وہی ہے اس کے سوا درحقیقت کوئی بھی لائق عبادت نہیں اسی کے اوپر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی جانب میرا رجوع ہے۔

اور اسی طرح قرآن کریم میں ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا:

﴿علیــه توکلت و الیــه انیـــب﴾ (هـــود: ۸۸) اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

ان میں سے بعض لوگ مستحبات کو چھوڑ دیتے ہیں اور صرف واجبات کو اختیار کرتے ہیں۔ بعض ان میں سے کرامات کا دعویٰ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بہت سا معاملہ ان کے لئے ظاہر ہو جاتا ہے اور ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، چنانچہ وہ عبادت وشکر وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں۔

صوفیاء کے ان طریقوں سے نجات کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ آدمی ہر

وقت اللہ کے اس حکم کی پیروی کرے جس کو انبیاء علیہم السلام لے کر آئے۔امام زہریؒ کہتے ہیں کہ: ہمارے اسلاف یہ کہتے تھے کہ سنت کو پکڑنا ہی نجات کا ذریعہ ہے۔امام مالکؒ کہتے ہیں کہ: سنت حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے مانند ہے جو اس پر سوار ہوا وہ نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا وہ ڈوب گیا۔

عبادت، اطاعت، استقامت اور صراط مستقیم کو لازم پکڑنا وغیرہ اصطلاحات کا مقصد ایک ہے جس کے دو اصل ہیں: ایک یہ کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے، دوسرے یہ کہ اس کی عبادت اسی طرح سے کی جائے جیسے کہ شریعت نے ہمیں حکم دیا ہے نہ کہ اپنی خواہشات وگمان کے مطابق۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فمن كان يرجوا لقاء ربه فليعمل عملاً صالحاً ولا يشرك بعبادة ربه احداً﴾ (کھف: ۱۱۰)

تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہئے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔اور فرمایا:

﴿بلی من اسلم وجهه لله وهو محسن فله اجره عندربه ولاخوف عليهم ولاهم يحزنون﴾ (بقره: ۱۱۲)

سنو! جو بھی اپنے آپ کو خلوص کے ساتھ اللہ کے سامنے جھکا دے بیشک اسے اس کا رب پورا بدلہ دے گا اس پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ غم اور اداسی۔ اور فرمایا:

﴿و من احسن دينا ممن اسلم وجهه لله و هو محسن واتبع ملة ابراهيم حنيفا واتخذالله ابراهيم خليلا﴾ (نساء: ۱۲۵)

باعتبار دین کے اس سے اچھا کون ہے جو اپنے کو اللہ کے تابع کرے اور ہو بھی نیکو کار، ساتھ ہی یکسوئی والے ابراہیم کے دین کی پیروی کر رہا ہوں اور ابراہیم (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنالیا ہے۔

تو عمل صالح جس کو احسان بھی کہا جاتا ہے اور حسنات بھی، وہ ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول پسند کریں اور جس کا حکم دیں، خواہ وہ واجب ہو یا مستحب۔ اور دین میں بدعت وہ ہے جو کتاب وسنت سے ثابت نہیں۔ اس کو جو بھی کہے اور کرے، وہ عمل صالح اور حسنات نہیں ہے بلکہ حرام ہے جیسے کہ ظلم وفحش کام حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ قول:

﴿و لا یشرک بعبادة ربه احدا﴾ (کهف : ۱۱۰) اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔

اور یہ قول:

﴿اسلم وجهه لله﴾ (بقره : ۱۱۲) جو اپنے کو اللہ کے تابع کر دے۔ان آیتوں کا مطلب صرف اللہ کے لئے دین کو خالص کرنا ہے۔

حضرت عمرؓ بن خطاب یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ تو ہمارے سارے عمل کو صالح بنا اور اسے اپنے لئے خالص بنا اور اس میں کسی اور کے لئے کچھ نہ بنا۔

فضیل بن عیاض نے اس آیت کریمہ:

﴿لیبلوکم ایکم احسن عملا﴾ (ملك : ۲) تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے ۔کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس سے مراد خالص اور درست عمل ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اے ابو علی خالص اور درست عمل کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ جب عمل خالص ہو اور درست نہ ہو تو وہ مقبول نہیں ہوگا، اسی طرح

اگر عمل درست ہو اور خالص نہ ہو تو بھی مقبول نہیں ہوگا اور خالص کا مطلب ہے کہ وہ عمل صرف اللہ کے لئے ہو، اور درست کا مطلب ہے کہ وہ سنت کے عین مطابق ہو۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ تمام چیزیں جسے اللہ پسند کرتا ہے لفظ عبادت میں داخل ہیں تو پھر دوسری چیزوں کواس کے ساتھ جوڑنے کے لئے حرف عطف کا استعمال کیوں ہوا ہے جیسے کہ سورہ فاتحہ میں ہے:

﴿ ایاک نعبد وایاک نستعین ﴾ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ دوسری جگہ ہے:

﴿ فاعبدہ و توکل علیه ﴾ (هود: ١٢٣) پس تم اسی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو۔ ایک جگہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا:

﴿ اعبدوا اللہ و اتقوہ و اطیعون ﴾ (نوح: ٣) تم اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

تو میں کہوں گا کہ اس طرح کا عطف قرآن کریم میں بہت سی جگہوں پر ہے، مثلاً:

﴿ان الصلاة تنهى عن الفحشاء والمنكر﴾ (عنکبوت : ٤٥) یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

یہاں منکر کو فحشاء پر عطف کیا گیا ہے جب کہ فحش (بے حیائی) بھی منکر (برائی) میں داخل ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

﴿ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی﴾ (نحل : ٩٠) اللہ تعالیٰ عدل کا، بھلائی کا اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے، اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم وزیادتی سے روکتا ہے۔

یہاں قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک، عدل واحسان ہی میں داخل ہے پھر بھی اسے علیٰحدہ طور پر عطف کیا گیا ہے۔

ایک جگہ ہے:

﴿والذین یمسکون بالکتاب واقاموا الصلاۃ﴾ (اعراف : ١٧٠) اور جو لوگ کتاب کے پابند ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں۔

یہاں بھی علیٰحدہ طور پر نماز کی پابندی کا بیان ہے جبکہ کتاب کی پابندی

میں نماز کی پابندی بھی داخل ہے۔

ایک جگہ ہے:

﴿انهم كانوا يسارعون فی الخيرات و يدعوننا رغبا و رهبا﴾ (انبیاء: ۹۰)

یہ بزرگ لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور ہمیں لالچ، طمع اور ڈر، خوف سے پکارتے تھے۔

یہاں خیرات (نیک کاموں) پر ﴿يدعوننا رغباً و رهبا﴾ (لالچ، طمع اور ڈر، خوف سے پکارنا) کو عطف کیا گیا ہے جبکہ خیرات میں یہ بھی شامل ہے۔ لہٰذا اس طرح کا عطف کسی نہ کسی خاص مقصد کے تحت ہوتا ہے۔ مثلاً: معنی عام مقصود ہو یا معنی خاص مقصود ہو یا اسم کی دلالت تنہا آنے میں اور ساتھ آنے میں مختلف ہو رہی ہو، جیسے قرآن کریم میں فقیر اور مسکین کا لفظ جب علیٰحدہ علیٰحدہ آتا ہے تو ایک کا اطلاق دوسرے کے اوپر ہوتا ہے۔ ﴿للفقراء الذين احصروا فی سبيل الله﴾ دوسری جگہ ہے ﴿او اطعام عشرة مساكين﴾ لیکن جب دونوں لفظ ایک ساتھ آتے ہوں جیسے کہ اس آیت کریمہ میں ہے:

﴿انما الصدقات للفقراء والمساكين﴾

صدقہ کا مال فقراء اور مساکین کے لئے ہے۔

تو یہاں دو قسم کے لوگ ہو گئے اور دونوں کے معنی میں فرق ہے۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب خاص کا عطف عام پر ہو تو وہ عام میں داخل نہیں ہوتا لیکن یہ کوئی ضروری نہیں، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ من کان عدوا للله و ملائکته و رسله و جبریل و میکال﴾ (بقرہ : ٩٨)

جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں اور رسولوں اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو۔

اور ایک دوسری جگہ ہے:

﴿و اذ أخذنا من النبیین میثاقھم و منک و من نوح و ابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ ابن مریم ﴾ (احزاب:٧)

جب کہ ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور (بالخصوص) آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ بن مریم سے۔

خاص کا ذکر عام کے ساتھ مختلف اسباب کی بنا پر ہوتا ہے۔ کبھی اس لئے ہوتا ہے کہ اس کی جو خاصیت ہے وہ دوسروں کے اندر نہیں ہوتی۔ مثلاً نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کا ذکر۔ اور کبھی اس لئے ہوتا ہے کہ وہ عام اس کے اندر مطلق ہوتا ہے اور اس سے عموم کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿هدى للمتقين الذين يومنون بالغيب و يقيمون الصلاة و مما رزقناهم ينفقون و الذين يومنون بما انزل اليک و ما انزل من قبلک﴾ (بقرة: ۲-٤)

پرہیز گاروں کوراہ دکھانے والی ہے، جولوگ غیب پرایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ کی طرف اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا۔

یہاں غیب پر ایمان لانا ہر اس غیب کو شامل جس پر ایمان لانا واجب ہے، لیکن اسکے اندر اجمال ہے اور اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ غیب کی جو باتیں آپ کی طرف اتاری گئی ہیں اور جو آپ سے پہلے اتاری گئی ہیں سب شامل ہیں۔

اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اتل ما اوحى اليک من الكتاب و اقم الصلاة﴾ (عنکبوت: ٤٥)

جو کتاب آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اسے پڑھئے اور نماز قائم کیجئے۔

اور فرمایا:

﴿والذين يمسكون بالكتاب

اور جو لوگ کتاب کے پابند ہیں

واقاموا الصلاۃ ﴾ (اعراف: ۱۷۰) اور نماز کی پابندی کرتے ہیں۔

اور کتاب کی تلاوت کا مطلب اس پر عمل کرنا ہے جیسے کہ ابن مسعودؓ نے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ:

﴿ والذین اٰتینا ھم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ ﴾ (بقرہ: ۱۲۱) ''جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے پڑھنے کے حق کے ساتھ پڑھتے ہیں'' کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتے ہیں۔ اس کے متشابہات پر ایمان رکھتے ہیں اور اسکی محکم باتوں پر عمل کرتے ہیں۔

اسی طرح کتاب کی اتباع میں نماز اور اس کے علاوہ چیزیں شامل ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر خاص طور پر اسکی اہمیت کی وجہ سے کیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

﴿ اننی أنا اللہ لا الہ انا فاعبدنی واقم الصلوٰۃ لذکری ﴾ (طہ: ۱٤) بیشک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا عبادت کے لائق اور کوئی نہیں، پس تو میری ہی عبادت کر اور میری یاد کیلیے نماز قائم رکھ۔ یہاں اللہ کی عبادت کیلئے نماز قائم کرنے کا

حکم خاص طور پر دیا جا رہا ہے۔

اسی طرح اللہ نے فرمایا:

﴿ اتقوا اللہ و قولوا قولاً سدیداً ﴾ (احزاب : ۷۰)
اللہ سے ڈرو اور سیدھی سیدھی باتیں کیا کرو۔

دوسری جگہ ہے:

﴿ اتقوا اللہ وابتغوا إلیہ الوسیلۃ ﴾
اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کا قرب تلاش کرو۔

ایک جگہ ہے:

﴿ اتقوا اللہ و کونوا مع الصالحین ﴾ (توبہ : ۱۱۹)
اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

یہ مذکورہ چیزیں تقویٰ کو کامل کرنے والی ہیں اور تقویٰ ہی کے باب سے ہیں۔ اسی طرح اللہ نے فرمایا:

﴿ فاعبدہ وتوکل علیہ ﴾ (ھود: ۱۲۳)
پس تم اسی کی عبادت کرو اور اسی پر توکل کرو۔

یہاں توکل کو خاص طور پر ذکر کیا ہے جس سے عبادت پر استعانت حاصل کی جاتی ہے، تاکہ بندہ خاص طور سے اس کا خیال رکھے۔ جب

یہ بات واضح ہوگئی تو میں کہوں گا کہ مخلوق کا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ کی فرمانبرداری میں لگا رہے اور جس قدر وہ اللہ کی فرمانبرداری میں لگا رہے گا اسی قدر اس کا مرتبہ بلند ہوگا۔ اور جس نے یہ گمان کیا کہ وہ اللہ کی فرمانبرداری نہ کر کے کمال تک پہونچ جائے گا یا وہ کسی وجہ سے بندگی کا مکلّف نہیں ہے تو وہ جاہل اور گمراہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وقالوا اتخذالرحمٰن ولدا سبحانه بل عباد مكرمون لا يسبقونه بالقول وهم بأمره يعملون، يعلم مابين أيديهم وما خلفهم ولا يشفعون الا لمن ارتضى وهم من خشيته مشفقون﴾ (انبياء ٢٦-٢٨)

(مشرک لوگ) کہتے ہیں کہ رحمٰن اولاد والا ہے (غلط ہے) اس کی ذات پاک ہے۔ بلکہ وہ سب اس کے باعزت بندے ہیں۔ کسی بات میں اللہ پر پیش دستی نہیں کرتے بلکہ اس کے فرمان پر کاربند ہیں۔ وہ ان کے آگے پیچھے کے تمام امور سے واقف ہے۔ وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے بجز ان کے جن سے اللہ خوش ہو۔ وہ تو خود ہیبت الٰہی سے لرزاں و ترساں ہیں۔ اور فرمایا:

﴿وقالوا اتخذ الرحمن ولداً، ان کا قول تو یہ ہے کہ اللہ رحمٰن نے

﴿لقد جئتم شيئاً اداً، تكاد السماوات يتفطرن منه و تنشق الارض و تخر الجبال هداً أن دعوا للرحمن ولداً، و ما ينبغى للرحمن أن يتخذ ولداً، ان كل من فى السمٰوات والارض الا آتى الرحمٰن عبداً، لقد أحصاهم وعدهم عداً ،و كلهم آتيه يوم القيامة فرداً﴾ (مریم:۸۸-۹۵)

بھی اولاد اختیار کی ہے یقیناً تم بہت بری اور بھاری چیز لائے ہو۔ قریب ہے کہ اس قول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں کہ وہ رحمٰن کی اولاد ثابت کرنے بیٹھے، شان رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ اولاد رکھے۔ آسمان و زمین میں جو بھی ہیں سب کے سب اللہ کے غلام بن کر ہی آنے والے ہیں، ان سب کو اس نے گھیر رکھا ہے۔ اور سب کو پوری طرح گن بھی رکھا ہے۔ یہ سارے کے سارے قیامت کے دن اکیلے اس کے پاس حاضر ہونے والے ہیں۔

اور اللہ نے حضرت عیسیٰ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿ان هو الا عبد انعمنا عليه و جعلناه مثلا لبني

عیسیٰ (علیہ السلام) بھی صرف بندہ ہی ہے جس پر ہم نے

اسـرائيل﴾ (زخرف : ٥٩) احسان کیا اور اسے بنی اسرائیل کے لئے نشان قدرت بنایا۔ اور اللہ نے فرمایا:

﴿ولـه من فـي السمـاوات والارض و مـن عـنـده لا يستـكبـرون عـن عبـادتـه ولايستـحسـرون يسبـحون الـليـل والـنهـارلا يفترون ﴾ (انبيـــــــاء : ١٩ ـ ٢٠)

آسمانوں اور زمین میں جو ہے اسی اللہ کا ہے اور جو اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے نہ سرکشی کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں۔ وہ دن رات تسبیح بیان کرتے ہیں اور ذراسی بھی سستی نہیں کرتے۔

اور اللہ نے فرمایا:

﴿لـن يستنكف المسيح أن يكون عبداً لله ولاالملائكة الـمقربون ، و من يستنكف عـن عبـادتـه و يستـكبـر فسيـحشـرهـم اليـه جميعا فـامـا الـذين آمنوا و عملوا الـصـالـحـات فيـوفيهـم

مسیح (علیہ السلام) کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی ننگ و عار یا تکبر و انکار ہرگز ہو ہی نہیں سکتا اور نہ مقرب فرشتوں کو۔ اور اس کی بندگی سے جو بھی دل چرائے اور تکبر و انکار کرے گا اللہ تعالیٰ ان سب کو اکٹھا اپنے پاس جمع کریگا،

اجورهم و يزيدهم من فضله و اما الذين استنكفوا واستكبروا فيعذبهم عذابا اليما ولايجدون لهم من دون الله وليا ولا نصيراً ﴾ (نساء : ۱۷۱-۱۷۲)

پس جولوگ ایمان لائے ہیں اور شائستہ اعمال کئے ہیں ان کو ان کا پورا پورا ثواب عنایت فرمائے گا اور اپنے فضل سے انہیں اور زیادہ دے گا۔ اور جن لوگوں نے ننگ و عار سمجھا اور سرکشی و انکار کیا انہیں دردناک عذاب دے گا اور وہ اپنے لئے سوائے اللہ کے کوئی حمایتی اور امداد کرنے والا نہ پائیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ و قال ربكم ادعوني أستجب لكم إن الذين يستكبرون عن عبادتي سيدخلون جهنم داخرين ﴾ (مومن: ٦٠)

اور تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔ یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ومن آياته الليل والنهار

اور دن رات اور سورج چاند بھی

﴿والشمس والقمر، لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا لله الذی خلقهن ان کنتم ایاه تعبدون، فان استکبروا فالذین عند ربک یسبحون له باللیل والنهار وهم لا یسأمون﴾ (حم سجدہ: ۳۷-۳۸)

اس کی نشانیوں میں سے ہیں، تم سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ سجدہ اس اللہ کے لئے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے اگر تمہیں اسی کی عبادت کرنی ہے تو۔ پھر بھی اگر یہ کبر وغرور کریں تو وہ فرشتے جو آپ کے رب کے نزدیک ہیں وہ تو رات دن تسبیح بیان کرر ہے ہیں اور کسی وقت بھی نہیں اکتاتے۔ اور فرمایا:

﴿اذکر ربک فی نفسک تضرعا و خیفة و دون الجهر من القول بالغدو والاصال ولا تکن من الغافلین إن الذین عند ربک لا یستکبرون عن عبادته و یسبحونه وله یسجدون﴾ (الاعراف: ۲۰۵-۲۰۶)

اور اے شخص اپنے رب کو یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ، صبح و شام، اور اہل غفلت میں سے مت ہونا۔ یقیناً جو تیرے رب کے نزدیک ہیں وہ اس کی

عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اسکی پاکی بیان کرتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں۔

یہ اور اس طرح کی بہت سی آیتوں میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور ان لوگوں کی مذمت بیان کی گئی ہے جو اللہ کی عبادت سے اعراض کرتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو اسی عبادت کے لئے بھیجا تھا جیسے کہ فرمایا:

﴿وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیه انه لا اله الا انا فاعبدون﴾ (انبیاء : ۲۵) تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔ اور فرمایا:

﴿و لقد بعثنا فی کل امة رسولا ان اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت﴾ (نحل : ۳۶) ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ لوگو صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔

اور فرمایا:

﴿یا عبادی الذین آمنوا ان ارضی واسعة فایای ہو میری زمین وسیع ہے پس تم

اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو میری زمین وسیع ہے پس تم

فاعبدون﴾ (عنکبوت: ٥٦) میری ہی بندگی بجالاؤ۔

اورایک جگہ ہے:

﴿وایای فاتقون﴾ (بقرہ: ٤١) اورصرف مجھ ہی سے ڈرو۔

اورفرمایا:

﴿یا ایها الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون﴾ (بقرہ: ٢١)

اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا یہی تمہارا بچاؤ ہے۔

اورفرمایا:

﴿وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون﴾ (زاریات: ٥٦)

اور ہم نے جنات اور انسان کو اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔

اورفرمایا:

﴿قل انی امرت ان اعبد الله مخلصا له الدین، وامرت لان اکون اول المسلمین، قل انی اخاف

آپ کہہ دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں

ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم، قل الله اعبد مخلصا لـه دینی فاعبدوا ما شئتم من دونـه ﴾ (زمر : ۱۱- ۱۵)

سب سے پہلا فرمانبردار بن جاؤں، کہہ دیجئے کہ مجھے تو اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہوئے بڑے دن کے عذاب کا خوف لگتا ہے۔ کہہ دیجئے کہ میں تو خالص کر کے صرف اپنے رب ہی کی عبادت کرتا ہوں تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرتے رہو۔

ہر رسول نے دعوت کی شروعات اللہ کی عبادت سے کی ہے جیسے کہ نوح علیہ السلام اور ان کے بعد جو انبیاء آئے ، ان کا یہ قول:

﴿ان اعبدو ا الله ما لکم من الـه غیره﴾ (مومنون : ۲۳)

کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

مسند میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”میں قیامت تک تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہوں یہاں تک کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے، اور میری روزی میرے نیزے کے سایہ میں رکھی گئی ہے ، اور جس نے میرے معاملے کی مخالفت کی اس کے لئے ذلت ورسوائی ہے“۔

اور اللہ کے مخلص بندے ہی ان برائیوں سے بچ پائیں گے جن کو

شیطان مزین کرے گا جیسے کہ قرآن کریم میں ہے کہ شیطان نے کہا:

﴿رب بما اغویتنی لازینن لهم فی الارض ولاغوینهم اجمعین الا عبادک منهم المخلصین﴾ (حجر:۳۹-۴۰) اے میرے رب چونکہ تونے مجھے گمراہ کیا ہے مجھے قسم ہے کہ میں زمین میں ان کے لیے معاصی کو مزین کروں گا اور ان سب کو بہکاؤں گا بھی، سوائے تیرے ان بندوں کے جو مخلص ہیں۔

پھر اللہ نے فرمایا:

﴿هذا صراط علی مستقیم، ان عبادی لیس لک علیهم سلطان الا من اتبعک من الغاوین﴾ (الحجر:۴۱-۴۲) کہ ہاں یہی مجھ تک پہونچنے کی سیدھی راہ ہے، میرے بندوں پر تجھے کوئی غلبہ نہیں، لیکن ہاں جو گمراہ لوگ تیری پیروی کریں۔

ایک دوسری جگہ ہے کہ ابلیس نے کہا:

﴿فبعزتک لاغوینهم اجمعین الا عبادک منهم المخلصین﴾ (ص:۸۲-۸۳) پھر تو تیری عزت کی قسم میں ان سب کو یقیناً بہکادوں گا بجز تیرے ان بندوں کے جو مخلص ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿كذلك لنصرف عنه السوء والفحشاء انه من عبادنا المخلصين﴾ (يوسف:٢٤) یونہی ہوا اس واسطے کہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی دور کر دیں بیشک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿سبحان الله عما يصفون الا عبا د الله المخلصين﴾ (صافات: ۱۵۹-۱۶۰) جو کچھ یہ اللہ کے بارے میں بیان کر رہے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ بالکل پاک ہے مگر اللہ کے مخلص بندے (مبتلائے عذاب نہیں ہوں گے)۔ اور فرمایا:

﴿انه ليس له سلطان على الذين آمنوا و على ربهم يتوكلون انما سلطانه على الذين يتولونه والذين هم به مشركون﴾ (نحل: ۹۹-۱۰۰) ایمان والوں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھنے والوں پر اس کا زور مطلقاً نہیں چلتا ہاں اس کا غلبہ ان پر تو یقیناً ہے جو اسی سے رفاقت کریں اور اسے اللہ کا شریک ٹھہرائیں۔

اور عبدیت ہی کے ساتھ اللہ نے اپنے پسندیدہ بندوں کی تعریف کی ہے جیسے کہ فرمایا:

﴿واذكر عبادنا ابراهيم ہمارے بندوں ابراہیم اسحٰق اور

واسحٰق ویعقوب اولی الایدی والابصار، انا اخلصناهم بخالصة ذکری الدار، وانهم عندنا لمن المصطفین الاخیار﴾ (ص:٤٥-٤٧)

یعقوب (علیہم السلام) کا بھی لوگوں سے ذکر کرو جو ہاتھوں اور کانوں والے تھے، ہم نے انہیں ایک خاص بات یعنی آخرت کی یاد کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا۔ یہ سب ہمارے نزدیک برگزیدہ اور بہترین لوگ تھے۔ اور فرمایا:

﴿واذکر عبدنا داؤد ذاالایدی انه اواب﴾ (ص:١٧)

اور ہمارے بندے داؤد (علیہ السلام) کو یاد کریں جو بڑی قوت والا تھا، یقیناً وہ بہت رجوع کرنے والا تھا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿نعم العبد انه أوّاب﴾ (ص:٣٠)

وہ بڑا اچھا بندہ تھا اور بے حد رجوع کرنے والا تھا۔

اور حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿نعم العبد﴾ (ص:٤٤)

وہ بڑا نیک بندہ تھا۔

اور انہیں کے بارے میں فرمایا:

﴿واذکر عبدنا ایوب

اور ہمارے بندے ایوب

اذنــادیٰ ربــه﴾ (ص:٤١) (علیہ السلام) کا بھی ذکر کر جب کہ اس نے اپنے رب کو پکارا۔

اور حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿ذریـة مـن حملنا مع نوح انــه كــان عبـدا شـكـورا﴾ (اســــــراء : ۳۰) اے ان لوگوں کی اولاد جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ سوار کر دیا تھا وہ ہمارا بڑا شکر گزار بندہ تھا۔

اور خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا:

﴿سبحـان الذی اسری بعبده ليلاً مـن الـمسجد الحرام الى المسجد الاقصیٰ﴾ (اسراء:۱) پاک ہے وہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندے کو رات ہی رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔

اور فرمایا:

﴿و انــه لـمـا قـام عبدالله يــدعــوه﴾ (جــن : ۱۹) اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لئے کھڑا ہوا۔

اور فرمایا:

﴿و ان كـنـتـم فـی ريـب مما نزلنا علی عبدنا﴾ (بقره: ۲۳) ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے اس میں اگر تمہیں شک

ہو۔اور فرمایا:

﴿فاوحی الی عبدہ ما اوحی﴾ (نجم: ۱۰) بس اس نے اپنے بندے کو وحی پہنچائی جو بھی پہنچائی۔

اور فرمایا:

﴿عینا یشرب بها عباد اللہ﴾ (دھر: ٦) وہ ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے بندے پئیں گے۔

اور فرمایا:

﴿و عباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا﴾ (فرقان: ٦٣) رحمٰن کے سچے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں۔

اس طرح کہ مثالیں قرآن میں بہت ہیں۔

دوسری فصل

ایمان میں تفاضل

چونکہ لوگ ایمان کے بارے میں ایک دوسرے پر فضل کا دعویٰ کرتے ہیں، اور دو حصوں میں تقسیم ہو گئے ہیں، ایک عوام اور دوسرے خواص، لہٰذا وہ رب کی معبودیت کے اندر بھی عام وخاص کی باتیں کرتے ہیں اور شرک اس امت کے اندر چونٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ خفیہ طور پر داخل ہو گیا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ درہم کا بندہ اور دینار کا بندہ اور چادر کا بندہ اور سیاہ کملی کا بندہ سب تباہ ہوئے (انہوں نے اپنی آخرت برباد کی) اگر ان کو ملا تو خوش نہ ملا تو ناخوش۔

یہ حال اس شخص کا ہے جس کو کوئی شر پہنچی تو اس سے نکل نہیں سکا بلکہ ہلاک ہو گیا اور منہ کے بل گر گیا نہ تو اس کو اس کا مراد و مطلوب ملا اور نہ ہی ناگوار چیزوں سے نجات حاصل ہوئی، یہ حال اس شخص کا ہے جس

نے مال کی پرستش کی۔اس کی صفت رسول اللہ ﷺ نے اس طرح بیان کی ہے" جب اسے عطا کیا جاتا ہے تو خوش ہوجاتا ہے اور جب انعامات اس سے روک لئے جاتے ہیں تو وہ غصہ ہوجاتا ہے"۔اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿ومنهم من يلمز ک فی الصدقات فان اعطوا منها رضوا وان لم يعطوا منها اذا هم يسخطون﴾ (توبہ:۵۸)

ان میں وہ بھی ہیں جو خیراتی مال کی تقسیم کے بارے میں آپ پر عیب رکھتے ہیں اگر انہیں اس میں سے مل جائے تو خوش ہیں اور اگر اس میں سے نہ ملا تو فوراً ہی بگڑ کھڑے ہوئے۔

ان کی خوشی غیر اللہ کے لئے ہے اور ان کی ناراضگی غیر اللہ کے لئے ہے۔یہی حال ان لوگوں کا ہے جو کسی سرداری وغیرہ سے چپکے رہتے ہیں ،اگر وہ ان کو حاصل رہے تو خوش رہتے ہیں اور اگر حاصل نہ ہو تو غصہ ہوجاتے ہیں۔ایسا آدمی خواہشات کا بندہ ہوتا ہے کیونکہ غلامی اور بندگی درحقیقت دل کی غلامی اور بندگی ہے جو چیز دل کو غلام بناتی ہے اس کا دل غلام بن جاتا ہے۔اسی لئے کہا جاتا ہے ؎

العبد حر ما قنع والحر عبد ما طمع

ترجمہ: غلام آزاد ہے جب وہ قانع ہے اور آزاد غلام ہے جب اس کے

﴿ فابتغوا عند الله الرزق واعبدوه واشكروا له، اليه ترجعون ﴾ (عنکبوت: ١٧)

پس تم اللہ تعالیٰ ہی سے روزیاں طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کی شکر گذاری کرو اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

روزی بندے کے لئے بنیادی ضرورت ہے، لہٰذا اگر بندہ روزی اللہ سے مانگے تو وہ اللہ کا بندہ ہوا اور اسی کا محتاج ہوا، لیکن اگر مخلوق سے مانگے تو وہ مخلوق کا غلام ہوا اور اسی کا محتاج ہوا، اسی لئے مخلوق سے مانگنا شریعت میں اصلاً حرام ہے اور صرف ضرورت کے تحت اس کو مباح کیا گیا ہے، جیسے کہ حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: کہ ''سوال کرنے والا قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کا ٹکڑا نہیں ہوگا''۔ (بخاری)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ''جس نے بقدر ضرورت مال رکھتے ہوئے لوگوں سے مانگا تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر خراش ہوگا''۔ (ابوداؤد)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا: کہ مانگنا صرف انتہائی پریشان کن تاوان یا قرض یا قصاص کی ادائیگی کے لئے یا رسوا کن غریبی میں ہی جائز ہے۔ (احمد)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا: کہ اگر تم میں سے کوئی رسی لے کر جنگل جائے اور لکڑی کاٹے یہ اس کے لئے اس بات سے بہتر ہے کہ لوگوں سے مانگے کیونکہ بھیک بھی کبھی ملتی ہے اور کبھی نہیں ملتی۔

اور آپؐ نے فرمایا: تمہارے پاس جو مال آئے اس حال میں کہ تم اس کو مانگنے والے اور جھانکنے والے نہیں ہو تو اس کو لے لو اور جو مال اس طرح نہ آئے اس کے پیچھے اپنے نفس کو مت ڈالو۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص استغناء اختیار کرے گا اللہ اس کو غنی کرے گا اور جو پاکدامن بننے کی کوشش کرے گا اللہ اسکو پاک دامن بنائے گا، اور جو صبر اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو صبر دلائے گا۔ کسی بھی شخص کو صبر سے بہتر عطیہ نہیں دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے خاص ساتھیوں کو یہ وصیت کرتے تھے کہ وہ کسی سے کوئی چیز نہ مانگیں۔

مسند میں ہے، کہ حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ سے اگر کوڑا اگر جاتا تو وہ کسی سے اٹھانے کے لئے نہیں کہتے بلکہ خود اٹھاتے تھے اور کہتے تھے کہ میرے خلیل نے مجھے اس بات کا حکم دیا ہے کہ میں کسی سے کوئی چیز نہ مانگوں۔

صحیح مسلم میں حضرت عوفؓ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے ایک جماعت میں بیعت کی اور ان کو چپکے سے یہ

بات کہی کہ تم لوگوں سے کوئی چیز نہیں مانگو گے۔ لہٰذا صحابہ کرام میں بعض لوگوں کے احتیاط کا عالم یہ تھا کہ اگر کوڑا ہاتھ سے گر جاتا تو وہ کسی سے اسکو اٹھانے کے لئے نہیں کہتے بلکہ خود اٹھاتے تھے۔

قرآن کریم اور حدیث میں بہت سی جگہوں پر صرف اللہ سے مانگنے اور مخلوق سے نہ مانگنے کا حکم ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فاذا فرغت فانصب و الی ربک فارغب﴾ (انشراح: ۷-۸)

پس جب تو فارغ ہو تو عبادت میں محنت کر اور اپنے پروردگار ہی کی طرف دل لگا۔

اور نبی کریم ﷺ نے ابن عباسؓ سے فرمایا:

اذا سألت فاسأل الله و اذا استعنت فاستعن بالله (احمد، ترمذی)

جب تم مانگو تو اللہ سے مانگو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:

﴿فابتغوا عند الله الرزق﴾ (عنکبوت: ۱۷)

اللہ تعالیٰ ہی سے روزیاں طلب کرو۔

اور یہ نہیں کہا:

فابتغوا الرزق عند الله   رزق اللہ تعالیٰ سے طلب کرو۔
کیونکہ ظرف کو مقدم کرنے سے اختصاص اور حصر کا معنی حاصل ہوتا ہے
اور مطلب یہ ہو جاتا ہے کہ اللہ ہی سے روزیاں طلب کرو نہ کہ کسی اور
سے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
﴿ واسألوا الله من فضله ﴾   اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل
(نســــــــاء: ۳۲)   مانگو۔

انسان کے لئے رزق کا حصول ضروری ہے اور اس چیز کا دفاع کرنا
ضروری ہے جو اس کو نقصان پہونچائے، اور ان دونوں حالتوں میں
صرف اللہ سے ہی دعا کرنا چاہئے۔ روزی صرف اللہ سے مانگنا چاہئے
اور اسی سے گلہ وشکوہ کرنا چاہئے جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے
کہا تھا:
﴿ انما اشکوا بثی و حزنی   میں تو اپنی پریشانیوں اور رنج کی
الی الله ﴾ (یوسف: ۸٦)   فریاد اللہ ہی سے کر رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک جگہ: "الھجر الجمیل" کہا
ہے، دوسری جگہ "الصفح الجمیل" کہا ہے، ایک جگہ "صبر
جمیل" کہا ہے۔ "الھجر الجمیل" کا مطلب ہے بغیر تکلیف دیئے

قطع تعلق کرنا۔ "الصفح الجمیل" کا مطلب ہے بغیر سرزنش کے غلطی معاف کرنا۔ "صبر جمیل" کا مطلب ہے مخلوق سے شکوہ کئے بغیر صبر کرنا۔
امام احمد بن حنبلؒ سے مرض الموت میں کسی نے کہا کہ طاؤس مریض کے کراہنے کو ناپسند کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ شکوہ ہے، پھر امام احمد نے موت تک نہیں کراہا۔ لیکن اللہ سے شکوہ کرنا صبر جمیل کے خلاف نہیں ہے جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا تھا: "فصبر جمیل" اور کہا تھا "انما اشکو بثی و حزنی الی الله"۔

حضرت عمرؓ بن خطاب فجر کی نماز میں سورہ یونس، سورہ یوسف اور سورہ نحل پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ جب سورہ یوسف کی اس آیت پر پہونچے "انما اشکو بثی و حزنی الی الله" تو رو پڑے یہاں تک کہ ان کے رونے کی آواز آخری صف میں سنائی دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ دعا پڑھتے تھے:

اللهم لک الحمد و الیک المشتکی، وانت المستعان، وبک المستغاث، وعلیک

اے اللہ تعریف تیرے ہی لئے ہے تجھ ہی سے شکوہ کیا جاتا ہے، تجھ ہی سے مدد مانگی جاتی ہے اور تجھ ہی سے فریاد طلب کیا جاتا ہے

التکلان و لا حول و لا قوة　　اور تیرے ہی اوپر بھروسہ ہے اور
الا بک.　　نہیں ہے حرکت اور قوت مگر
تیرے ہی ذریعہ۔

اور آنحضرت ﷺ کی یوم طائف کی دعا میں یہ ہے: اے اللہ میں تجھ ہی سے اپنی قوت کی کمزوری کا شکوہ کرتا ہوں اور لوگوں پر اپنی بے بسی اور کمزوری کا گلہ کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین تو کمزوروں کا رب ہے اور تو میرا رب ہے۔ اے اللہ تو نے مجھے کس کے سپرد کر دیا۔ کیا اس دوری کے جو مجھے ترش روئی سے پیش آ رہی ہے یا اس دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملہ پر قادر بنا دیا ہے۔ اگر تیرا غصہ میرے اوپر نہ ہو تو مجھے پرواہ نہیں، مگر تیری عافیت میرے لئے وسیع ہے۔ میں تیرے غصہ و غضب کے نزول سے تیرے چہرہ اقدس کے نور کی پناہ لیتا ہوں جس کے سامنے تمام تاریکیاں روشنی سے بدل جاتی ہیں، اور جس کے باعث دنیا و آخرت کے معاملات درست ہو جاتے ہیں، میں تیری ہی خوشنودی چاہتا ہوں اور نہیں ہے حرکت اور قوت مگر اللہ کے ذریعہ۔

بندہ اپنی ضرورت کو پوری کرنے کے لئے جتنا اللہ کے فضل و رحمت کا طلب گار ہو گا اتنا ہی اسکی بندگی تابعداری اللہ کے لئے بڑھ جائے

گی، اور دوسروں کی غلامی سے نجات پا جائے گا، اور مخلوق سے مانگنے اور امید کرنے کی صورت میں جس طرح وہ اس کا غلام بن جائے گا اسی طرح نہ ملنے کی صورت میں وہ اس سے مایوس ہو جائے گا اور اس کا دل اس سے بے نیاز ہو جائے گا۔

اور اللہ سے نہ مانگنے کی صورت میں اس کا دل اسکی تابعداری سے منحرف ہو جائے گا اور خاص طور سے اگر وہ مخلوق سے امید کرنے لگے تب تو وہ پوری طرح اس کی سرداری و ریاست، جاہ و منصب، مال و دولت، خدم و حشم، دوست و احباب، کنبہ وقبیلہ، لاؤ لشکر کے درمیان پھنس کر رہ جائے گا۔

اللہ نے فرمایا:

﴿و توكل على الحي الذي لا يموت وسبح بحمده و كفى به بذنوب عباده خبيرا﴾ (فرقان: ۵۸)

اس ہمیشہ زندہ رہنے والے اللہ تعالیٰ پر توکل کریں جسے کبھی موت نہیں اور اسکی تعریف کے ساتھ پاکیزگی بیان کرتے رہیں، وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے۔

اور جو شخص اپنا دل کسی مخلوق کے ساتھ یہ سمجھ کر لگاتا ہے کہ وہ اس کی مدد کرے گا، اس کو روزی دے گا، اس کو ہدایت دے گا، تو اس کے دل

میں اس کے لئے تابعداری کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے جیسے کہ کوئی آدمی کسی عورت سے دل لگالیتا ہے خواہ وہ اس کی بیوی یا لونڈی ہو تو وہ اس کا غلام بن جاتا ہے، وہ جس طرح سے چاہتی ہے اس کو گھماتی ہے، للہذا بظاہر وہ آدمی اس کا شوہر یا آقا اور مالک نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں وہ اس کا غلام ہے۔ خاص طور سے اگر اس عورت کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اس سے بے پناہ عشق کرتا ہے تو وہ اس پر ایسے ہی حکومت کرتی ہے جیسے کہ ظالم مالک اپنے مقہور و مغلوب غلام پر حکومت کرتا ہے۔ للہذا دل کی غلامی بدن کی غلامی سے بڑھ کر ہے اور دل کا قید بدن کے قید سے بڑھ کر ہے۔ بدن کے قیدی کو اطمینان حاصل ہو سکتا ہے لیکن دل کے قیدی کو اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ اور شریعت اسلامیہ میں دل کی فرمانبرداری و تابعداری پر ہی ثواب و عقاب کا دارو مدار ہے۔ اگر کسی مسلمان کو کسی کافر نے قید کرلیا یا کسی فاجر نے ناحق غلام بنالیا تو یہ چیز اس کو نقصان نہیں پہونچائے گی اگر وہ واجبات کو ادا کرتا رہا۔ اسی طرح سے اگر کسی شخص کو جائز طور پر غلام بنایا گیا اور اس نے اللہ کا حق اور اپنے آقا کا حق ادا کیا تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے، اور اگر اسے کفر کی بات کہنے پر مجبور کیا گیا اور اس نے کفریہ کلمات ادا کر دیئے اور اس کا دل

سکران سکر ھویٰ و سکر مدامةٍ

و متی افاقة من بہ سکران

ترجمہ: مستی درحقیقت عشق اور شراب کی مستی ہے اور جس کو مستی ہو اسے افاقہ کہاں۔ اور کسی نے کہا ہے ؎

قالوا جننت بمن تهوى، فقلت لهم

العشق اعظم مما بالمجانين

العشق لا يستفيق الدهر صاحبه

و انما يُصرع المجنون فی حين

ترجمہ: لوگوں نے کہا کہ تم اس کی محبت میں پاگل ہو گئے ہو جس سے تم محبت کرتے ہو، تو میں نے ان سے کہا کہ عشق اس سے بڑا ہے جو پاگلوں کو لاحق ہوتا ہے۔ کیونکہ عاشق عشق سے کبھی افاقہ نہیں پاتا جب کہ مجنون کبھی پچھاڑ دیا جاتا۔ (یعنی افاقہ پا جاتا ہے)

اور جب دل اللہ کی عبادت کا مزہ چکھ لے اور اس کے لئے خالص بن جائے تو کوئی بھی چیز اسے اس سے بڑھ کر مزے دار نہیں لگتی۔

انسان اپنے محبوب کو اسی وقت چھوڑتا ہے جب وہ کوئی دوسرا محبوب اس سے زیادہ بہتر پایا جاتا ہے یا کسی برائی کا خطرہ محسوس کرتا ہے، لہٰذا

فاسد محبت سے دل کو صالح محبت کے ذریعہ یا برائی کا خوف دلا کر پھیرا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بارے میں فرمایا:

﴿کذلک لنصرف عنه السوء والفحشاء انه من عبادنا المخلصین﴾ (یوسف: ٢٤)

یونہی ہوا اس واسطے کہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی دور کر دیں بیشک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔

پس جب بندہ اللہ کے لئے اخلاص اختیار کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو تصویروں کی محبت سے اور فحش کاموں سے پھیر دیتا ہے، وہ اب اپنی خواہشات کی اتباع کرنے کے بجائے اللہ کی فرمانبرداری کا مزہ چکھنے لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ان الصلاة تنهى عن الفحشاء والمنكر و لذكر الله اكبر﴾ (عنکبوت: ٤٥)

یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے، بیشک اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ نماز کے ذریعہ مکروہ چیز کو دور کیا جاتا ہے اور وہ مکروہ بے حیائی اور برائی ہے، جب کہ

محبوب چیز کو حاصل کیا جاتا ہے اور وہ محبوب چیز اللہ کا ذکر ہے۔ اس محبوب چیز کا حصول مکروہ چیز کے روکنے سے زیادہ اہم ہے کیونکہ اللہ کا ذکر اس کی عبادت ہے اور دل سے اللہ کی عبادت ہی مقصود بالذات ہے، جب کہ برائی سے روکنا مقصود بالذات نہیں بلکہ اس کا تابع ہے۔

انسان کا دل حق کو پسند کرتا ہے اور حق کی جستجو میں رہتا ہے، پس اگر برا ارادہ اس کے سامنے آجائے تو وہ اس کو روکنے کی مانگ کرتا ہے، کیونکہ وہ دل کو ایسے ہی فاسد کر دیتا ہے جیسے کہ کھیتی کو گھاس پھوس کا جھنڈ خراب کر دیتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قد افلح من زکاها و قد خاب من دساها﴾ (شمس: ۹-۱۰)
جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ نا کام ہوا۔

اور فرمایا:

﴿قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربه فصلی﴾ (اعلی: ۱٤-۱٥)
بیشک اس نے فلاح پالی جو پاک ہو گیا اور جس نے اپنے رب کا نام یاد رکھا اور نماز پڑھتا رہا۔ اور فرمایا:

﴿قل للمؤ منین یغضوا من
مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی

ابصارھم و یحفظوا فروجھم ذلک ازکی لھم﴾ (نور: ۳۰) نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہی ان کے لئے پاکیزگی ہے۔

اور فرمایا:

﴿ولولا فضل اللہ علیکم و رحمتہ ما زکی منکم من احد ابدا﴾ (نور: ۲۱) اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کبھی بھی پاک وصاف نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے نگاہ نیچی رکھنے اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے کو نفس کی پاکیزگی کا خاص ذریعہ قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ عموماً برائیوں کو چھوڑ دینا درحقیقت نفس کی پاکیزگی ہے، اس میں تمام برائیاں شامل ہیں جیسے ظلم، شرک، کذب وغیرہ۔

دنیا میں سرداری و برتری کا طالب اصل میں اس چیز کا غلام بن جاتا ہے جس کا وہ طالب ہے، وہ بظاہر لوگوں کا آقا و سردار نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں وہ ان سے امید رکھتا ہے اور ڈرتا ہے، ان کو مال و دولت عطا کرتا ہے اور ان کے گناہوں سے چشم پوشی کرتا ہے، تاکہ وہ اس کی اطاعت کریں اور اس کی مدد کریں، لہٰذا وہ بظاہر سردار لیکن حقیقت میں

غلام ہوا۔ بہر حال دونوں صورتوں میں غیر اللہ کی تابعداری و فرمانبرداری اختیار کرنی پڑتی ہے، ان میں ہر ایک دوسرے کا تعاون زمین میں ناحق برتری قائم کرنے کے لئے کرتا ہے، ان میں سے ہر ایک اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اسی کا غلام بن کر رہ جاتا ہے۔

اسی طرح مال کا طالب بھی اس مال کا غلام بن جاتا ہے۔

مال کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ مال ہے جس کی انسان کو ضرورت ہو جیسے کھانا پینا، گھر، بیوی وغیرہ۔ اگر انسان ان چیزوں کو اللہ سے طلب کرے، اس کے حصول کے لئے کوشش کرے تو اس میں کوئی قباحت نہیں بلکہ یہ مال اس کے پاس ایسے ہی ہے جیسے کہ گدھا جس پر وہ سواری کرتا ہے۔ یا بچھونا جس پر وہ بیٹھتا ہے یا پائخانہ جس کے اندر وہ اپنی حاجت پوری کرتا ہے۔ وہ اس مال کا غلام نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے لئے بے صبری کا اظہار کرتا ہے جیسے کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿اذا مسه الشر جزوعا و اذا مسه الخير منوعا﴾ (معارج: ۲۰-۲۱)

جب اسے مصیبت پہنچتی ہے تو ہڑ بڑا اٹھتا ہے اور جب راحت ملتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔

مال کی دوسری قسم وہ ہے جس کی ضرورت آدمی کو نہیں ہوتی۔ ایسے مال

کے ساتھ دل لگانا درست نہیں ہے، ایسے مال کا طلب کرنے والا اس کا غلام بن کر رہ جاتا ہے بلکہ کبھی کبھی غیر اللہ پر بھروسہ کرنے لگتا ہے اور حقیقی معنوں میں وہ اللہ کی عبادت اور اس پر توکل نہیں کرتا ہے بلکہ غیر پر توکل کرتا ہے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حدیث میں ہے:

تعس عبد الدرهم ، تعس عبدالدينار ، تعس عبدالقطيفة تعس عبد الخميصة

درہم کا بندہ، دینار کا بندہ، چادر کا بندہ اور سیاہ کملی کا بندہ سب ہلاک ہوئے۔

ایسا شخص اگر اللہ سے مانگے گا اور اللہ نے اس کو عطا کر دیا تو وہ خوش ہو جائے گا، اور اگر اللہ نے عطا نہیں کیا تو وہ ناراض ہو جائے گا، جب کہ حقیقت میں اللہ کا بندہ وہ ہے جو اس چیز پر خوش رہے جس سے اللہ خوش ہوتا ہے اور اس چیز کو ناپسند کرے جس کو اللہ ناپسند کرتا ہے۔ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خواہش کے مطابق محبت و بغض رکھے، اللہ کے نیک بندوں سے دوستی کرے اور اللہ کے دشمنوں سے دشمنی کرے۔ اسی چیز کے ذریعے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے:

من أحب لله و ابغض لله و اعطى لله و منع لله فقد

جس نے اللہ کے لئے محبت کی، اور اللہ ہی کے لئے بغض کیا اور

استکمل الایمان (ابو داؤد) اللہ ہی کے لئے عطا کیا اور اللہ ہی کے لئے روکا تو اس نے ایمان مکمل کرلیا۔

اور آپؐ نے فرمایا کہ:

أوثق عری الایمان الحب فی الله والبغض فی الله. (المعجم الکبیر للطبرانی:۱۰۳۵۷) ایمان کا سب سے مضبوط گانٹھ اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے دشمنی ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ''تین چیزیں جس کے اندر ہوں وہ ایمان کی مٹھاس پاتا ہے۔ ایک یہ کہ اس کے نزدیک اللہ اور اس کے رسول ساری چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں، دوسرے یہ کہ اللہ ہی کی خاطر وہ کسی سے محبت کرے، تیسرے یہ کہ کفر سے نکلنے کے بعد کفر کی طرف لوٹنا اس کے لئے ایسے ہی ناگوار ہو جیسے کہ وہ آگ میں ڈالا جانا ناپسند کرتا ہے''

اگر محبوب کی خاطر کسی سے محبت کی جائے تو یہ محبت کی انتہا ہوتی ہے چنانچہ اللہ کے نیک بندوں سے محبت درحقیقت اللہ سے محبت کی انتہا ہے۔ اگر کسی شخص نے انبیاء سے محبت کی اور اللہ کے نیک بندوں سے محبت کی اور صرف اللہ ہی کے لئے یہ محبت کی تو اس کا ایمان کامل ہے اور وہ اللہ سے سچی محبت کرنے والا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿فسوف یاتی الله بقوم یحبهم و یحبونه اذلة علی المومنین اعزة علی الکافرین﴾ (مائدة : ٥٤)

عنقریب اللہ ایسے لوگوں کو پیدا کردے گا جن کو وہ دوست رکھے اور جسے وہ دوست رکھیں۔ اور جو مؤمنوں کے حق میں نرمی کریں اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله﴾ (آل عمران: ٣١)

کہہ دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہوتو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

چونکہ رسول اسی چیز کا حکم دیتے ہیں جو اللہ کو پسند ہے اور اسی چیز سے منع کرتے ہیں جو اللہ کو ناپسند ہے اس لئے جو اللہ کی محبت کا دعویٰ کرے اس کے لئے رسول کی اتباع ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے لئے دو علامتیں بنائی ہیں: ایک علامت رسول کی اطاعت ہے اور دوسری علامت اس کے راستے میں جہاد ہے۔ جہاد کا مطلب درحقیقت اس چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا ہے جو اللہ کو پسند ہے جیسے ایمان اور عمل صالح، اور اس چیز کو دور بھگانا ہے جو

اللہ کو ناپسند ہے جیسے کفر وفسق اور عصیان۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قل ان كان آباؤكم و أبناؤكم واخوانكم و ازواجكم و عشيرتكم و اموال اقترفتموها و تجارة تخشون كسادها و مساكن ترضونها أحب اليكم من الله و رسوله و جهاد فى سبيله فتربصوا حتى ياتى الله بامره﴾ (توبة:٢٤)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے قبیلے اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کے راہ کے جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں تو تم انتظار کرو کہ اللہ اپنا عذاب لے آئے۔

اور رسول اللہ نے فرمایا کہ ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے لڑکے، اس کے باپ اور سارے لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں''۔ (بخاری، مسلم)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ: اے اللہ کے رسول آپ میرے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے میری جان کے، تو آپؐ نے فرمایا نہیں اے عمر یہاں تک کہ میں تمہارے نزدیک تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں، تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ خدا کی قسم آپ میرے نزدیک میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں، تو آپؐ نے فرمایا اے عمرؓ اب تم مومن ہوئے۔

محبوب سے محبت اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب اس چیز سے محبت کی جائے جو اسے پسند ہو اور اس چیز سے بغض رکھا جائے جو اسے ناپسند ہو اور اللہ تعالیٰ کو ایمان و تقویٰ پسند ہے اور کفر و نافرمانی اور فسق و فجور ناپسند ہے۔

یہ چیز معلوم ہے کہ محبت دل کے ارادہ کو حرکت دیتی ہے تو جس قدر دل میں محبت زیادہ ہوگی اسی مقدار اچھے کام کرنے کا دل طلب گار ہوگا اور آدمی اس کے حصول کے لئے پختہ ارادہ کرے گا، اور اگر اس کو حاصل کر لے گیا تو بہتر ہے لیکن اگر حاصل نہ بھی کر سکا بلکہ صرف کوشش کی پھر بھی اس کو ثواب ملے گا جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس شخص نے کسی ہدایت کی طرف دعوت دی تو اس کو اتنا ہی ثواب

ملے گا جتنا اتباع کرنے والے کو، بغیر اس کے اجر میں کچھ کم کئے۔ اور جس نے کسی گمراہی کی طرف دعوت دی اس کو اتنا ہی گناہ ملے گا جتنا کہ اتباع کرنے والے کو بغیر اس کے گناہ میں سے کچھ کم کئے"۔ (مسلم)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "مدینہ کے اندر کچھ ایسے لوگ ہیں کہ تم نے جو بھی سفر کیا ہے یا وادی عبور کی ہے اس میں وہ تمہارے ساتھ تھے، لوگوں نے کہا کہ وہ تو مدینہ میں بیٹھے ہوئے تھے، آپؐ نے فرمایا کہ وہ مدینہ میں تھے لیکن عذر نے ان کو روک رکھا تھا"۔ (بخاری)

جہاد کا مطلب ہے حق کو حاصل کرنے اور برائی کو روکنے کی پوری کوشش کرنا۔ اگر جہاد پر قدرت رکھنے کے باوجود آدمی جہاد کو ترک کردے تو یہ اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کی کمزوری کی دلیل ہے۔

یہ بھی معلوم ہے کہ محبوب چیز کا حصول غالبًا مکروہ چیز برداشت کرنے کے بعد میں ہوتا ہے تو جسے مال وسرداری اور تصویروں سے محبت ہوتی ہے اسے دنیا میں تکلیفیں جھیلنے کے بعد ہی یہ چیزیں حاصل ہوں گی اور آخرت میں تو اس کو ضرر لاحق ہی ہوگا۔ اگر اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والے اس کے راستے میں تکلیف برداشت نہ

کریں تو غیر اللہ سے جو محبت کرتے ہیں وہ یہ سمجھیں گے کہ اس کی محبت اللہ کے لئے کمزور ہے، جب کہ یہ معلوم ہے کہ مومن اللہ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿و من الناس من يتخذ من دون الله اندادا يحبونهم كحب الله و الذين آمنوا أشد حبا لله﴾ (بقرة:١٦٥)

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہئے، اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔

کبھی محبت کرنے والا اپنی کوتاہی عقل کی وجہ سے غلط راستے پر چل پڑتا ہے جس سے اس کا مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ یہ طریقہ غیر پسندیدہ ہے اگر چہ محبت صالح ہی کیوں نہ ہو، اور اگر محبت فاسد ہو تو اور بھی برا ہے۔ جیسے کہ دولت و سرداری کے طلب گار ایسی چیزوں سے محبت کرتے ہیں جو ان کو نقصان پہونچا کر ہی رہے گی اور ان کا مقصد بھی حاصل نہیں ہوگا۔ لہٰذا محبت کرنے والے کو راستہ صحیح اختیار کرنا چاہئے جو عقل سلیم کے مطابق ہو اور جس سے مقصد بھی حاصل ہو۔ اس وضاحت کے بعد میں کہوں گا کہ جس قدر دل میں محبت بڑھے گی اسی

قدر بندگی کا جذبہ بھی پیدا ہوگا اور انسان اس کو دوسروں پر ترجیح دے گا۔
آدمی کا دل اللہ کا محتاج دو طریقوں سے ہے: ایک یہ کہ وہ اللہ کی عبادت کرے جس کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اسی سے مدد مانگے اور اسی پر بھروسہ کرے جو کہ عبادت کے اسباب میں بسے ہیں۔
لہٰذا آدمی کا دل اسی وقت مطمئن وخوش ہوگا جب وہ اللہ کی عبادت کرے گا۔ اور صحیح معنوں میں عبادت اسی وقت ممکن ہے جب اس کو اللہ کی مدد حاصل ہو جیسے قرآن کریم میں ہے:

﴿ ایاک نعبد و ایاک نستعین ﴾ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ اور اگر آدمی کے دل کو دنیا کی ساری خواہش حاصل ہو جائے لیکن اللہ کی عبادت حاصل نہ ہو تو اس کو حسرت و تکلیف ہی حاصل ہوگی، وہ دنیا کے غموں سے چھٹکارہ نہیں پا سکتا۔ بندے کا مقصود صرف اللہ کی محبت ہونی چاہئے اور اسی کی خاطر دوسروں سے محبت کرنی چاہئے اور اگر یہ چیز اس کو حاصل نہیں ہوتی تو گویا کہ ' لا الہ الا اللہ' کا مطلب اسے حاصل نہیں ہوا اور نہ ہی توحید پر اس کا ایمان مکمل ہوا بلکہ اس کے لئے سوائے حسرت وندامت کے کچھ نہیں۔

اور اگر وہ اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرے لیکن اللہ سے مدد طلب نہ کرے، اس پر بھروسہ نہ کرے، اس کی طرف رجوع نہ کرے تو اس کو مطلوب و مقصود حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ ہر چیز اللہ کی مرضی ہی سے حاصل ہوگی۔ وہی معبود و مسئول ہے، وہی توفیق دینے والا ہے، اسی سے مدد طلب کرنا ضروری ہے۔

اللہ کی بندگی انہیں دونوں چیزوں سے مکمل ہوتی ہے۔ اور اگر آدمی غیر اللہ سے محبت کرے، غیر اللہ کی طرف رجوع کرے، غیر اللہ سے مدد مانگے تو اس کا غلام بن جاتا ہے جس سے محبت کرتا ہے اور اس سے مدد کی امید کرتا ہے۔ اس کے برعکس اگر اللہ سے محبت کرے، اللہ سے مدد مانگے، اسی کی طرف رجوع کرے تو اس کی بندگی مکمل ہوتی ہے۔ اس کا ایمان پختہ ہوتا ہے ایسا شخص جب کائنات کا مشاہدہ کرتا ہے تو اللہ ہی کو خالق و مالک، مدبر و معبود پاتا ہے اور اسی کے سامنے اپنی عبدیت کا اظہار کرتا ہے۔

اس معاملے میں لوگوں نے بہت سارے طریقے اختیار کر رکھے ہیں لیکن سب سے صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو صرف اللہ کے حوالے کردے، اس کا بندہ بن کر رہے، اس کے ساتھ کسی دوسرے کو

معین و مددگار نہ بنائے، اس کے سامنے جھکنے میں کسی قسم کا تکبر نہ کرے، کیونکہ تکبر ایمان کے منافی ہے جیسے کہ حدیث میں ہے کہ ''جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر ہے'' جیسے کہ جہنم میں وہ شخص ہمیشہ نہیں رہے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''بڑائی میرا ازار ہے اور تکبر میری چادر ہے پس جو شخص ان میں سے کوئی بھی چیز مجھ سے لینے کی کوشش کرے گا میں اس کو عذاب دوں گا۔ (مسلم)

عظمت و تکبر چونکہ اللہ ہی کے لئے زیبا ہے اسی لئے نماز، اذان، عید وغیرہ میں اللہ اکبر ہی کی صدا بلند کی جاتی ہے اور اونچی جگہوں پر چڑھتے وقت بھی اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿و قال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین﴾ (غافر: ٦٠)

اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا۔ جو لوگ میری عبادت سے از راہِ تکبر اعراض کرتے ہیں، عنقریب جہنم میں ذلیل ہوکر داخل ہوں گے۔

اور جو شخص اللہ کی عبادت سے تکبر کرے گا وہ اللہ کے علاوہ کی پرستش کرے گا کیونکہ انسان حساس ہے، اس کے دل میں جو ارادہ اٹھتا ہے اسی کے مطابق وہ حرکت کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "سب سے سچا نام حارث اور ھمام ہے"۔ حارث کے معنی ہیں کمائی کرنے والا، اور ھمام کے معنی ارادہ کے مطابق کر گذرنے والا۔ آدمی ہمیشہ ارادہ کرتا ہے اور اس کا ایک مراد ومحبوب ہوتا ہے پس اگر اللہ کی ذات اس کا معبود ومراد نہ ہو تو وہ مال ودولت، جاہ ومنصب کو اپنا مراد ومحبوب بنا لیتا ہے یا اللہ کے علاوہ دوسروں کو معبود بنا لیتا ہے۔ جیسے سورج، چاند، ستارے، بت، انبیاء وصالحین کی قبروں وغیرہ کو۔ اس طرح اللہ کی عبادت سے تکبر کرنے والا غیر اللہ کی عبادت کرنے لگتا ہے جو کہ شرک ہے۔ فرعون سب سے بڑا متکبر تھا اور وہ مشرک تھا، جیسے کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿و لقد ارسلنا موسیٰ بآياتنا و سلطان مبين الى فرعون و هامان و قارون فقالوا ساحر كذاب﴾ (غافر: ۲۳-۲٤)

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں اور دلیل کی روشنی دے کر بھیجا فرعون وہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا یہ تو

جھوٹا جادوگر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿و قارون و فرعون و هامان و لقد جاء هم موسیٰ بالبينات فاستكبروا في الارض و ما كانوا سابقين﴾ (عنكبوت : ۳۹)

اور قارون اور فرعون اور ہامان کے پاس حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کھلے کھلے معجزے لے کر آئے تھے پھر بھی انہوں نے زمین میں تکبر کیا، لیکن ہم سے آگے بڑھنے والے نہ ہو سکے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ان فرعون علا في الارض و جعل أهلها شيعا يستضعف طائفة منهم يذبح ابناء هم ويستحيي نساء هم﴾ (قصص: ٤)

یقیناً فرعون نے زمین میں سرکشی کر رکھی تھی اور وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا اور ان میں سے ایک فرقہ کو کمزور کر رکھا تھا اور ان کے لڑکوں کو تو ذبح کر ڈالتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿و جحدوا بها واستيقنتها انفسهم ظلما و علوا فانظر كيف كان عاقبة المفسدين﴾ (نمل : ١٤)

انہوں نے انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے صرف ظلم اور تکبر کی بناء پر، پس دیکھ

لیجئے کہ ان فتنہ پرداز لوگوں کا انجام کیسا کچھ ہوا۔
اور فرعون کے مشرک ہونے کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

﴿وقال الملا من قوم فرعون أتذر موسیٰ و قومه ليفسدوا في الارض و يذرك و آلهتك﴾ (اعراف: ۱۲۷)

اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ کیا آپ موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی قوم کو یوں ہی رہنے دیں گے کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھریں اور وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو ترک کئے رہیں۔ بلکہ احوال تو یہ بتاتے ہیں کہ جو شخص جتنا زیادہ اللہ کی عبادت سے تکبر کرتا ہے اتنا ہی بڑا وہ مشرک ہوتا ہے کیونکہ اللہ سے تکبر اختیار کرنے کی صورت میں اس کو اپنے مراد و محبوب کی ضرورت ہوتی ہے جس کا وہ غلام بن جاتا ہے اور پرستش کی حد تک اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور دل تمام مخلوقات سے بے نیاز اسی وقت ہوگا جب کہ وہ صرف اللہ کو اپنا آقا مان لے، اسی کی عبادت کرے، اسی سے مدد مانگے، اسی پر بھروسہ کرے، وہی چیز پسند کرے جسے اللہ پسند کرتا ہے اور وہی چیز ناپسند کرے جسے اللہ ناپسند کرتا ہے، دوستی اسی سے کرے جس سے اللہ دوستی کرتا ہے اور دشمنی بھی اسی سے

کرے جس سے اللہ دشمنی کرتا ہے، کسی کو دے تو اللہ کی خاطر دے، اور کسی کو نہ دے تو اللہ کی خاطر نہ دے۔ لہٰذا آدمی جتنا اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص بنائے گا اتنا ہی اس کی عبدیت مکمل ہوگی اور مخلوق سے اس کی بے نیازی بڑھے گی اور اس شرک وکبر سے بچا رہے گا جس میں یہود ونصاریٰ پھنسے ہوئے تھے۔ چنانچہ نصاریٰ کے اوپر شرک غالب تھی اور یہود کے اوپر کبر غالب تھا۔ جیسے کہ قرآن کریم میں نصاریٰ کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

﴿اتخذوا أحبارهم و رهبانهم أربابا من دون الله والمسيح ابن مريم ، وما أمروا إلا ليعبدوا الها واحدا لا إله الا هو سبحانه عما يشركون﴾ (توبه : ۳۱)

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنالیا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔ اور یہود کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

﴿أفكلما جاء كم رسول بما لا تهوى انفسكم استكبرتم

لیکن جب کبھی تمہارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمہاری

﴿ففریقا کذبتم و فریقا تقتلون﴾ (بقرہ : ۸۷)

طبیعتوں کے خلاف تھی ،تم نے جھٹ سے تکبر کیا پس بعض کو تو جھٹلا دیا اور بعض کو قتل بھی کر ڈالا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿سأصرف عن آیاتی الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق وإن یروا کل آیة لا یؤمنوا بھا و إن یروا سبیل الرشد لا یتخذوہ سبیلا و إن یروا سبیل الغی یتخذوہ سبیلا﴾ (اعراف:۱٤٦)

میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں اور اگر وہ تمام نشانیاں دیکھ لیں تب بھی وہ ان پر ایمان نہ لائیں ، اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں ۔یہ بات معلوم ہوگئی کہ کبر سے شرک جڑا ہوا ہے اور شرک اسلام کے خلاف ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون

یقیناً اللہ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا

ذلک لمن یشاء ومن یشرک باللہ فقد افتریٰ اثما عظیما﴾ (نساء:٤٨)

جسے چاہے بخش دیتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مقرر کرے اس نے بہت بڑا گناہ کیا اور بہتان باندھا۔ اور فرمایا:

﴿ان الله لا یغفر ان یشرک بہ، و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء و من یشرک بالله فقد ضل ضلالاً بعیداً﴾ (نساء: ١١٦)

اسے اللہ تعالیٰ قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک متعین کیا جائے، ہاں شرک کے علاوہ گناہ جس کے چاہے معاف کردیتا ہے اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

تمام انبیاء دین اسلام ہی کو لے کر آئے اس دین کے علاوہ کوئی دوسرا دین اللہ کے یہاں قابل قبول نہیں ہوگا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:

﴿فان تولیتم فما سألتکم من اجر ان اجری الا علی اللہ و امرت ان اکون من

پھر بھی اگر تم اعراض ہی کئے جاؤ تو میں نے تم سے کوئی معاوضہ تو نہیں مانگا۔ میرا معاوضہ تو صرف

المسلمين ﴾ (یونس : ۷۲) اللہ ہی کے ذمہ ہے اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے رہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿ومن يرغب عن ملة ابراهيم الا من سفه نفسه ولقد اصطفيناه فى الدنيا وانه فى الآخرة لمن الصالحين ، اذ قال له ربه اسلِم قال اسلمت لرب العالمين ، ووصىٰ بها ابراهيم بنيه ويعقوب يٰبنى ان الله اصطفىٰ لكم الدين فلا تموتن الا وانتم مسلمون﴾ (بقرة: ۱۳۰-۱۳۲)

دین ابراہیمی سے وہی بے رغبتی کرے گا جو محض بے وقوف ہو، ہم نے تو اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا اور آخرت میں وہ نیکوکاروں میں سے ہے۔ جب کبھی بھی انہیں ان کے رب نے کہا فرماں بردار ہو جا، انہوں نے کہا میں نے رب العالمین کی فرماں برداری کی۔ اسی کی وصیت ابراہیم اور یعقوب (علیہما السلام) نے اپنی اولاد کو کی کہ ہمارے بچو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اس دین کو پسند فرما لیا ہے، خبردار تم مسلمان ہی مرنا۔

اور حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:

﴿توفنی مسلما والحقنی بالصالحین﴾ (یوسف:۱۰۱) تو مجھے اسلام کی حالت میں فوت کر اور نیکوں میں ملا دے۔

اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

﴿یا قوم ان کنتم آمنتم بالله فعلیه توکلوا ان کنتم مسلمین ،فقالوا علی الله توکلنا﴾ (یونس:۸۴-۸۵) اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر توکل کرو اگر تم مسلمان ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے اللہ پر ہی توکل کیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿انا انزلنا التوراة فیها هدی ونور یحکم بها النبیون الذین أسلموا للذین هادوا﴾ (مائدة:۴۴) ہم نے توارۃ نازل فرمائی ہے جس میں ہدایت و نور ہے، یہودیوں میں اسی تورات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ماننے والے انبیاء (علیہم السلام) فیصلہ کرتے تھے۔ اور بلقیس نے کہا:

﴿رب إنی ظلمت نفسی وأسلمت مع سلیمان لله میرے پروردگار میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، اب میں سلیمانؑ

رب العالمین ﴾ (نمل: ٤٤) کے ساتھ اللہ رب العالمین کی مطیع وفرمانبردار بنتی ہوں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿واذ اوحیتُ إلی الحواریین ان آمنوا بی و برسولی قالوا آمنا و اشهد بأننا مسلمون ﴾ (مائدة: ۱۱۱) اور جب کہ میں نے حواریین کو حکم دیا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ، انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور آپ شاہد رہیئے کہ ہم پورے فرمانبردار ہیں۔

اور فرمایا:

﴿ان الدین عند الله الاسلام ﴾ (آل عمران: ۱۹) بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین، اسلام ہی ہے۔

اور فرمایا:

﴿ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه ﴾ (آل عمران: ۸۵) جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا۔ اور فرمایا:

﴿افغیر دین الله یبغون و له کیا وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا

أسلم من في السمٰوات والارض طوعاً وكرهاً﴾ (آل عمران: ۸۳)	اور دین کی تلاش میں ہیں حالانکہ تمام آسمانوں والے اور سب زمین والے اللہ تعالیٰ ہی کے

فرمانبردار ہیں خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے۔

پوری کائنات اللہ ہی کے تابع ہے، وہی مالک ہے، وہی خالق ہے، وہی مدبر ہے، وہی حاکم و بادشاہ ہے۔کوئی چیز اس کے قضاء وقدر سے باہرنہیں نکل سکتی۔سب اس کے فرماں بردار ہیں خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے اوراس کے علاوہ سب گھڑے ہوئے ارباب ہیں، جواسی کے محتاج ہیں اور مقہور ومجبور ہیں۔اللہ ہی اسباب پیدا کرنے والا ہے۔مخلوق کے اندر بذات خود کسی خیر کوکرنے یا کسی شرکو ہٹانے کی طاقت نہیں ،اللہ ہی کی ذات بے نیاز ہے اس کا کوئی شریک ومعاون نہیں نہ ہی کوئی اس کامقابل ومعارض ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قل افرأيتم ما تدعون من دون الله ان ارادني الله بضر هل هن كاشفات	آپ ان سے کہئے کہ اچھا یہ تو بتاؤ جنہیں تم اللہ کے سواپکارتے ہواگر اللہ تعالیٰ مجھے نقصان پہونچانا

ضره او ارادني برحمة هل هن ممسكات رحمته، قل حسبى الله عليه يتوكل المتوكلون ﴾ (زمر: ۳۸)

چاہے تو کیا یہ اس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں۔ یا اگر اللہ تعالیٰ میرے اوپر مہربانی کا ارادہ کرے تو کیا یہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ اللہ مجھے کافی ہے توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں۔

اور فرمایا:

﴿ و ان يمسسک الله بضر فلا کاشف له الا هو و ان يمسسک بخير فهو على کل شیء قدير ﴾ (انعام: ۱۷)

اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا دور کرنے والا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی نفع پہنچائے تو (کوئی اس کو روکنے والا نہیں) تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ لسلام کے بارے میں فرمایا:

﴿قال يا قوم انی بریء مما تشرکون، انی وجهت وجهي للذي فطر السماوات

آپ نے فرمایا اے میری قوم! بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں، میں اپنا رخ اس کی

والارض حنيفا و ما أنا من المشركين، و حاجه قومه قال اتحاجوني فى الله وقد هدان و لا اخاف ما تشركون به الا ان يشاء ربى شيئا﴾الى قوله تعالىٰ: ﴿الذين آمنوا ولم يلبسوا ايمانهم بظلم اولئک لهم الامن و هم مهتدون﴾ (انعام:۷۹-۸۷)

طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا یکسو ہوکر، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں ، اور ان سے ان کی قوم نے حجت کرنا شروع کیا تو آپ نے فرمایا کیا تم اللہ کے معاملہ میں مجھ سے حجت کرتے ہو حالانکہ اس نے مجھ کو طریقہ بتا لا دیا ہے اور میں ان چیزوں سے جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو نہیں ڈرتا ہوں مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے۔ میرا پروردگار ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے، کیا تم پھر بھی خیال نہیں کرتے۔ اور میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک بنایا ہے حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، سو ان دو جماعتوں میں سے امن کا زیادہ مستحق کون ہے اگر تم خبر رکھتے ہو۔ جو لوگ ایمان رکھتے

ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے ایسوں ہی کے لئے امن ہے اور وہی راہ راست پر چل رہے ہیں۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام پر بہت دشوار گزرا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کون ہے جس کا ایمان ظلم کے ساتھ مخلوط نہیں ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے، کیا تم نے صالح بندے کا قول نہیں سنا:

﴿ان الشرک لظلم عظیم﴾ (لقمان: ۱۳)

بیشک شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿و اذابتلی ابراهیم ربه بکلمات فاتمهن قال: انی جاعلک للناس اماما، قال: و من ذریتی، قال: لا ینال عهدی الظالمین﴾ (بقرہ: ۱۲٤)

جب ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کے رب نے کئی باتوں سے آزمایا اور انہوں نے سب کو پورا کر دیا تو اللہ نے فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بنادوں گا۔ عرض کرنے لگے اور میری اولاد کو؟ فرمایا، میرا وعدہ

ظالموں سے نہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو امام بنانے کا وعدہ نہیں کیا ہے اور نہ ظالم کو امام بنانے کا حکم دیا ہے اور سب سے بڑا ظلم شرک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ان ابراھیم کان امة قانتا للہ حنیفا و لم یک من المشرکین﴾ (نحل : ۱۲۰)

بیشک ابراہیم پیشوا اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور ایک طرفہ مخلص تھے وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔

امت سے مراد یہاں معلم خیر ہے جن کی اقتداء کی جائے، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں نبوت و کتاب کو اتارا اور انبیاء کو ان کے بعد انہیں کی ملت پر بھیجا۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿ثم اوحینا الیک أن اتبع ملة ابراھیم حنیفا و ما کان من المشرکین﴾ (نحل : ۱۲۳)

پھر ہم نے آپ کی جانب وحی بھیجی کہ آپ ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کریں جو مشرکوں میں سے نہ تھے۔ اور فرمایا:

﴿ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ و ھٰذا النبی والذین آمنوا واللہ ولی

سب لوگوں سے زیادہ ابراہیم سے نزدیک تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا کہا مانا اور یہ

المومنين﴾ (آل عمران : ٦٨) نبی اور جولوگ ان پر ایمان لائے، مومنوں کا ولی اور سہارا اللہ ہی ہے۔اورفرمایا:

﴿ما كان ابراهيم يهوديا ولا نصرانيا ولكن كان حنيفا مسلما وما كان من المشركين﴾ (آل عمران : ٦٧)

ابراہیم تو نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو یک طرفہ خالص مسلمان تھے وہ مشرک بھی نہ تھے۔

اورفرمایا:

﴿وقالوا كونوا هودا او نصارىٰ تهتدوا ، قل بل ملة ابراهيم حنيفا وما كان من المشركين ، قولوا آمنا بالله و ما انزل الينا و ما انزل الى ابراهيم واسماعيل و اسحاق و يعقوب والاسباط﴾ الى قوله﴿ و نحن له مسلمون ﴾ (بقره : ١٣٥-١٣٦)

یہ کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی بن جاؤ تو ہدایت پاؤ گے، تم کہو بلکہ صحیح راہ پر ملت ابراہیمی والے ہیں اور ابراہیم خالص اللہ کے پرستار تھے اور مشرک نہ تھے، اے مسلمانو! تم سب کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو چیز ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد پر اتاری گئی

اور جو کچھ اللہ کی جانب سے موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے انبیاء (علیہم السلام) دیئے گئے۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے، ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔

حضرت ابراہیم اللہ کے دوست ہیں اور نبی کریم ﷺ کے بعد سارے انبیاء سے افضل ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابراہیم مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے اپنا خلیل بنایا جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا۔ اور آپؐ نے فرمایا کہ اہل دنیا میں اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو حضرت ابوبکر کو بناتا لیکن میں اللہ کا خلیل ہوں۔ (بخاری ، مسلم)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ: مسجد کے اندر سارے روشن دان بند کر دیئے جائیں سوائے حضرت ابوبکر کے روشن دان کے۔

آپؐ نے فرمایا: خبردار تم سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے قبروں کو مسجد بنالیا بس تم قبر کو مسجد نہ بنانا۔ میں اس سے تم کو منع کرتا ہوں۔ (مسلم)

اسی حدیث میں ہے کہ آپ نے یہ بات اپنی وفات سے چند دن پہلے کہی تھی۔ (اللہ سے دوستی کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے

محبت کرے اور وہ بندہ اللہ سے محبت کرے ۔ جہمیہ کا قول اس کے خلاف ہے) مذکورہ حدیث میں توحید خالص کا حکم دیا گیا ہے اور اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اسی طرح جس حدیث میں حضرت ابو بکرؓ کی فضلیت بیان کی گئی ہے اس سے روافض کے قول کی تردید ہوتی ہے جو حضرت ابو بکرؓ کی حق تلفی کرتے ہیں اور حضرت علی کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔

دوستی کا مطلب ہے: انتہائی محبت جس میں بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے لئے انتہائی فرمانبرداری شامل ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بندہ کے لئے کمال ربوبیت شامل ہو۔

لفظ ''عبودیت'' انتہائی محبت و فرمانبرداری کو شامل ہے اسی طرح لفظ ''متیم'' کا مطلب ہے: تابعدار و فرمانبردار، تیم اللہ کا مطلب ہے اللہ کا بندہ، اور قلب متیم کا مطلب ہے: وہ دل جو اپنے محبوب کا تابعدار ہو۔

نبی کریم ﷺ اور ابراہیم علیہ السلام کے اندر یہ صفت بدرجہ اتم موجود تھی اس لئے اللہ نے ان دونوں کو اپنا خلیل بنایا تھا لفظ '' خلـة'' کا مطلب خاص ہے، یعنی خالص دوستی جس کے اندر کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ کا اس دنیا میں کوئی خلیل نہیں تھا۔

اور محبت کے اندر دوسرے لوگ بھی شریک ہو سکتے ہیں جیسے کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ اور حضرت اسامہؓ کے بارے میں فرمایا:

اللھم انی احبھما فاحبھما واحب من یحبھما (بخاری، احمد) اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو تو بھی ان سے محبت کر اور جو ان دونوں سے محبت کرے ان سے بھی محبت کر۔

حضرت عمرو بن عاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک سب سے محبوب کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: عائشہؓ، پھر انھوں نے پوچھا کہ مردوں میں آپ کے نزدیک سب سے محبوب کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: عائشہ کے والد۔ (بخاری) اسی طرح حضرت علیؓ کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ "میں کل جھنڈا ایک ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت کرتے ہیں"۔ (بخاری)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہوں پر فرمایا ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں سے محبت کرتا ہے جیسے:

﴿یحب المتقین﴾ (آل عمران: ۷٦) اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں سے محبت کرتا ہے۔ اور:

﴿يحب المحسنين﴾ (بقره: ۱۵۹) احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔اور:

﴿يحب المقسطين﴾ (حجرات: ۹) انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔اور:

﴿يحب التوابين و يحب المتطهرين﴾ (بقره: ۲۲۲) توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اور:

﴿ان الله يحب الذين يقاتلون فی سبيله صفا كأنهم بنيان مرصوص﴾ (صف: ٤) ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں۔اور فرمایا:

﴿فسوف ياتی الله بقوم يحبهم و يحبونه﴾ (مائده: ٥٤) تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کو محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی۔

مذکورہ بیان سے معلوم ہوا کہ لفظ ''خلة'' خاص ہے اور لفظ ''محبت'' عام ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حبیب اللہ ہیں اور

حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ لفظ حبیب لفظ خلیل سے بڑھ کر ہے۔ لیکن ان کا قول صحیح نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ بھی خلیل اللہ ہیں جیسے کہ حدیث سے ثابت ہے جس کا ذکر گذر چکا ہے۔ اور جو یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ عباس حبیب و خلیل کے درمیان اٹھائیے جائیں گے تو یہ اور اس قسم کی دوسری روایتیں موضوع ہیں۔ اللہ سے محبت کا مطلب ہے اللہ سے محبت اور اس چیز سے محبت جسے اللہ پسند کرے جیسے کہ حدیث میں ہے کہ تین چیزیں جس کے اندر ہوں گی وہ ایمان کا مزہ پائے گا: ایک یہ کہ اس کے نزدیک اللہ اور اس کے رسول ساری چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں، اور دوسرے یہ کہ وہ اللہ ہی کی خاطر کسی سے محبت کرے، اور تیسرے یہ کہ وہ کفر سے نجات پانے کے بعد کفر کی طرف لوٹنا ایسے ہی ناپسند کرے جیسے کہ آگ میں ڈالا جانا ناپسند کرتا ہے۔ کسی چیز کا مزہ اس سے محبت و رغبت پر موقوف ہے، یہ مزہ مقصود و مراد حاصل ہونے کے بعد ہی ملتا ہے۔ بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ یہ مزہ صرف محبوب کے ادراک سے ملتا ہے، لیکن ان کا قول درست نہیں کیونکہ ادراک محبت اور لذت کے درمیان کی چیز ہے اس حدیث کے مطابق مومن کو ایمان کا مزہ تین طرح سے ملتا ہے:

۱۔ محبت کی تکمیل، کیونکہ اللہ اور اس کے رسول اس کے نزدیک دنیا کی ساری چیزوں سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں۔

۲۔ محبت کی تفریق، کیونکہ وہ کسی آدمی سے صرف اللہ ہی کی خاطر محبت کرتا ہے۔

۳۔ محبت کے خلاف دفاع، کیونکہ وہ ایمان کے خلاف دفاع کرتا ہے اور کفر کی طرف لوٹنا ایسے ہی ناپسند کرتا ہے جیسے کہ آگ میں ڈالا جانا۔

میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب خلت اور محبت حاصل ہوگی تبھی فرمانبرداری وتابعداری مکمل ہوگی۔ اور جولوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عبودیت کے لئے محبت وخلت شرط نہیں بلکہ جھکنا اور تابعداری کرنا کافی ہے تو ان کا قول غلط ہے۔

علماء سلف میں بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ جس نے صرف محبت کر کے اللہ کی عبادت کی وہ زندیق ہے۔ اور جس نے صرف رجاء کر کے اس کی عبادت کی وہ مرجی ہے۔ (مرجئہ وہ لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ گناہ نقصان نہیں پہونچائے گا) اور جس نے صرف خوف کھا کر اللہ کی عبادت کی وہ حروری ہے۔ (حروری خوارج میں سے ایک فرقہ ہے جس کے اعتقادات باطل ہیں) اور جس نے

اللہ کی عبادت محبت اور خوف ورجاء کے ساتھ کی وہ مومن موحد ہے۔

لیکن متاخرین میں بعض لوگوں نے اللہ سے محبت کرنے کا دعویٰ کیا اور اس میں اسقدر غلو کیا کہ عبودیت سے تجاوز کر کے ربوبیت میں داخل ہو گئے اور ایسی چیزوں کا دعویٰ کرنے لگے جو انبیاء و مرسلین بھی نہیں کر سکتے ۔ درحقیقت انہوں نے عبودیت کا صحیح مفہوم نہیں سمجھا جسے رسولوں نے بیان کیا ہے۔ بلکہ ان کی عقل کمزور ہے، دین کے بارے میں ان کا علم ناقص ہے۔ ان کی جنونی محبت، حماقت و جہالت پر مبنی ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا کوئی مواخذہ نہیں ہوگا جیسے کہ یہود و نصاریٰ کہتے ہیں:

﴿نحن ابناء الله و احباؤه﴾ (مائدہ: ۱۸)	ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں۔

پھر اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا:

﴿قل فلم يعذبكم بذنوبكم بل انتم بشر ممن خلق يغفر لمن يشاء و يعذب من يشاء﴾ (مائدہ: ۱۸)	آپ کہہ دیجئے کہ پھر تمہیں گناہوں کے باعث اللہ کیوں سزا دیتا ہے۔ (نہیں) بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک انسان

ہو وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔

گناہوں پر سزا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ کے محبوب نہیں اور نہ ہی اس کے بیٹے ہیں بلکہ مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس سے محبت کرے گا اس کو اسی کام پر لگائے گا جو اس کو پسند ہوگا نہ کہ وہ کام جو اس کو ناراض کردے، اور جس نے گناہ کبیرہ پر اصرار کیا اور توبہ نہیں کی تو اللہ اس سے ناراض ہوگا۔

اور جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ گناہ اس کو نقصان نہیں پہونچائے گا کیونکہ اللہ اس سے محبت کرتا ہے اور گناہوں پر اصرار کرتا رہا تو اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ زہر کا کھانا اس کو نقصان نہیں پہونچائے گا پھر وہ زہر کھاتا رہا اور علاج کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ایسا احمق شخص اگر قرآن کریم میں انبیاء کے قصوں کا مطالعہ کرے، ان کے توبہ واستغفار کو دیکھے اور ان پر جو مصیبتیں ان کو پاک وصاف کرنے کے لیے نازل ہوئی ہیں ان کا مطالعہ کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ گناہ گنہگاروں کو نقصان پہونچاتا ہے خواہ وہ لوگوں میں سب سے اونچے مقام پر کیوں نہ ہوں۔ اور اگر محبت کا دعویٰ کرنے والا محبوب کی مصلحتوں کو خاطر میں نہ لائے بلکہ صرف اپنی محبت کے مطابق عمل

کرے چاہے، اس کا عمل جہالت وظلم پر مبنی کیوں نہ ہو تو محبوب اس سے نفرت کرنے لگے گا بلکہ اس کو سزا بھی دے گا۔

بہت سے لوگ جو اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، دین کے بارے میں جہالت کے راستے پر چلتے ہیں، وہ یا تو اللہ کے حدود سے تجاوز کرتے ہیں یا حقوق اللہ کو ضائع کرتے ہیں یا ایسے باطل چیزوں کا دعویٰ کرتے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں، مثلاً بعض نے یہ کہا ہے: ''میرے کسی مرید نے اگر کسی کو جہنم میں باقی رکھا تو میں اس سے بری ہوں''۔ یعنی ان کا مرید ہر شخص کو جہنم سے نکالے گا۔

اسی طرح بعض نے یہ کہا کہ ''میرے کسی مرید نے اگر کسی مومن کو جہنم میں داخل ہونے دیا تو میں اس سے بری ہوں'' یعنی ان کا مرید گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے کو بھی جہنم میں داخل نہیں ہونے دے گا۔

بعض نے کہا ہے'' قیامت کے دن اپنا خیمہ جہنم کے پاس نصب کروں گا تا کہ کوئی بھی جہنم میں نہ جائے''۔

اس طرح کے بہت سے اقوال صوفیاء کی طرف منسوب ہیں ۔ یہ اقوال ان کے منہ سے اس وقت نکلتے ہیں جب وہ مدہوش ہوتے ہیں یا فنا فی اللہ کا غلبہ ہوتا ہے یا عقل وہوش کھو بیٹھتے ہیں۔

ان صوفیاء میں بہت سے لوگ اشعار سننا پسند کرتے ہیں جس میں عشق و محبت اور لعنت و ملامت کی باتیں ہوتی ہیں، یہ لوگ اپنے دل میں جو محبت ہوتی ہے اس کو حرکت دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے محبت کے لئے جو امتحان مقرر کیا ہے اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ وہ امتحان اس آیت کریمہ میں ہے:

﴿قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله﴾ (آل عمران: ۳۱)

کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

اللہ کا سچا محبّ وہ ہے جو اس کے رسول کی اتباع کرے اور رسول کی اتباع اللہ کی بندگی ہی سے حاصل ہوگی۔

بہت سے لوگ محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کے طور طریقے اور سنتوں پر عمل نہیں کرتے بلکہ بہت سے لوگ تو شریعت و سنت کی مخالفت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امر و نہی ان سے ساقط ہے وہ اس کے پابند نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت اور اپنے رسول کی محبت کی بنیاد جہاد کو بھی بنایا ہے۔ لفظ جہاد، اللہ نے جس چیز کا حکم دیا ہے اس سے انتہائی محبت اور

جس سے منع کیا اس سے انتہائی بغض کو بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی صفت جو اللہ سے محبت کرتے ہیں اور جن سے اللہ محبت کرتا ہے اس طرح بیان کی ہے:

﴿ اذلة علی المومنین اعزة علی الکافرین یجاهدون فی سبیل الله و لا یخافون لومة لائم ﴾ (مائدہ: ٥٤)

وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ بھی نہ کریں گے۔

اسی لئے اس امت کی محبت اور بندگی اللہ کے لئے پہلی امتوں کی محبت اور بندگی سے بڑھ کر ہے اور صحابہ کرام اس معاملہ میں سب سے آگے ہیں۔ پھر جو ان کے مشابہ ہیں وہ لوگ ہیں، نہ کہ یہ صوفیاء جو کہ محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بعض صوفیاء کا کہنا ہے کہ محبت وہ آگ ہے جو محبوب کی مراد کے علاوہ دل میں سب چیزیں جلا دیتی ہے، اس کا مطلب یہ لوگ یہ لیتے ہیں کہ چونکہ پوری کائنات کا وجود اللہ کے ارادے سے ہے اس لئے کمال محبت یہ ہے کہ آدمی ہر چیز سے محبت رکھے یہاں تک کہ کفر وفسوق اور عصیان سے بھی۔

یہ چیز ممکن نہیں کہ آدمی ہر موجود سے محبت کرے بلکہ جو نفع بخش چیز ہے اسی سے محبت کرے گا اور جو نقصان دہ ہے اس سے نفرت کرے گا لیکن یہ لوگ اس گمراہی کے ذریعہ خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، وہ تصویروں سے محبت کرتے ہیں، سرداری اور مال و دولت سے محبت کرتے ہیں، بدعات سے محبت کرتے ہیں اور یہ سمجھتے کہ وہ اللہ سے محبت کررہے ہیں۔

اللہ کی محبت میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اس چیز کو ناپسند کرے جسے اللہ اور اسکے رسول ناپسند کریں اور اپنے نفس و مال سے ان ناپسندیدہ چیزوں سے جہاد کرے۔ ان صوفیاء کی گمراہی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ محبت وہ آگ ہے جو محبوب یعنی اللہ تعالیٰ کی مراد کے علاوہ ہے ہر چیز کو جلادیتی ہے۔ اسی بات کو اگر مومن کہے گا تو اس طرح کہے گا کہ محبت وہ آگ ہے جو ہر اس چیز کو دل سے جلادے جو اللہ کو پسند نہ ہو اور یہی اللہ سے حقیقی محبت ہے اور یہی شریعت کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی قضاء وقدر سے بہت سی چیزوں کو ناپسند کرتا ہے، تو جس چیز کو وہ ناپسند کرتا ہے اس کو ناپسند کرنا ضروری ہے ورنہ بندہ اللہ کا حقیقی محبّ نہیں ہوگا بلکہ اس چیز کا محبّ ہوگا جسے اللہ پسند نہیں کرتا۔

شریعت کی اتباع اور اس کو قائم کرنے کیلئے جہاد کرنا ہی درحقیقت اللہ سے محبت ہے اور جو لوگ اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن شریعت کی مخالفت کرتے ہیں تو ان کا یہ دعویٰ یہود و نصاریٰ کے دعوے کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی برا ہے۔ کیونکہ اس کے اندر نفاق بھی پایا جاتا ہے اور منافق جہنم کے سب سے نچلے حصہ میں رہے گا۔

توریت وانجیل میں بھی اللہ سے محبت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ انجیل میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی سب سے بڑی وصیت یہ تھی کہ تم اللہ سے محبت اپنے دل و دماغ اور نفس سے کرو۔

نصاریٰ ایسی محبت کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کی عبادت اسی محبت کے گرد گھومتی ہے لیکن درحقیقت وہ اللہ کی محبت سے بری ہیں، کیونکہ وہ اس چیز کی اتباع کرتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں۔ جیسے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اتبعوا ما اسخط الله و کرهوا رضوانه فأحبط اعمالهم﴾ (محمد: ۲۸)

یہ وہ راہ چلے جس سے انہوں نے اللہ کو ناراض کر دیا اور انہوں نے اس کی رضامندی کو برا جانا تو اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔

اللہ تعالیٰ کافروں سے بغض رکھتا ہے اور جو اللہ سے محبت کرتے ہیں ان سے وہ بھی محبت کرتا ہے بلکہ جتنی محبت بندہ اللہ سے کرتا ہے اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ بندے سے کرتا ہے جیسے کہ حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''جو مجھ سے ایک بالشت قریب ہوگا میں اس سے ایک گز قریب ہوں گا ،اور جو مجھ سے ایک گز قریب ہوگا میں اس سے دونوں ہاتھوں کے پھیلانے کی مقدار قریب ہوں گا ،اور جو میرے پاس چل کر آئے گا میں اس کے پاس دوڑ کر آؤں گا'' ۔(بخاری)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ متقیوں ،احسان کرنے والوں ،صبر کرنے والوں ،توبہ کرنے والوں اور پاک وصاف رہنے والوں سے محبت کرتا ہے ۔ بلکہ ان لوگوں سے بھی محبت کرتا ہے جو فرائض و مستحبات کو اس کے حکم کے مطابق ادا کرتے ہیں جیسے کہ حدیث قدسی ہے ''میرا بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قربت حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں ، پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے'' ۔

بہت سے خطا کار جنہوں نے عبادت کے معاملہ میں نئی نئی چیزیں

پیدا کی ہیں وہ نصاریٰ کی طرح اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اس کی شریعت کی مخالفت کرتے ہیں۔ وہ دین کے راستے میں محنت نہیں کرتے بلکہ نصاریٰ ہی کی طرح کچھ ایسے متشابہ کلام کو اختیار کرتے ہیں جس سے اللہ کا تقرب حاصل کریں اور ایسی ایسی حکایتیں بیان کرتے ہیں جن کے کہنے والے کا کوئی صحیح پتہ نہیں اور اگر کہنے والا معلوم بھی ہو جائے تو اسکی معصومیت کی کوئی دلیل نہیں۔ (جیسے کہ بعض اسلامی جماعتیں آج کل کر رہی ہیں) وہ اپنے پیروں کو دین کا شارع بناتے ہیں جیسے کہ نصاریٰ نے اپنے پادریوں کو دین کا شارع بنایا تھا پھر وہ اپنے خواص کے لئے بندگی کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں جیسے کہ نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام اور اپنے پادریوں کو عبدیت سے بلند تر سمجھتے تھے اور اللہ کا شریک بناتے تھے۔

دین حق وہ ہے جس میں ہر طرح سے اللہ کی بندگی حاصل ہو اور ہر طرح سے اللہ کی محبت حاصل ہو اور جس قدر بندگی کی تکمیل ہوگی اسی قدر اللہ سے بندے کی محبت کی تکمیل ہوگی اور بندے سے اللہ کی محبت کی تکمیل ہوگی۔ اور جس قدر بندگی میں کمی ہوگی اسی قدر محبت میں کمی ہوگی۔ اور اگر دل میں غیر اللہ کی محبت ہوگی تو دل میں غیر اللہ کی بندگی کا جذبہ پیدا ہوگا۔

ہر وہ محبت جو اللہ کے لئے نہ ہو وہ باطل ہے، اسی لئے ہر وہ عمل جس کا مقصد اللہ کی رضا جوئی نہ ہوتو وہ باطل ہے۔دنیا ملعون ہے اور اس کے اندر جو چیز ہے وہ ملعون ہے سوائے اس چیز کے جو اللہ کے لئے ہے۔(ترمذی) اور اللہ کے لئے وہی چیز ہوگی جس کو اللہ اور اس کے رسول پسند کریں یعنی جس کو شریعت نے جائز کیا ہو۔لہٰذا ہر وہ عمل جو غیر اللہ کے لئے کیا جائے وہ اللہ کے لئے نہیں ہوسکتا، اور اسی طرح ہر وہ عمل جو شریعت کے مطابق نہ ہو وہ اللہ کے لئے نہیں ہوسکتا۔اللہ کے لئے عمل وہی ہوسکتا ہے جس کے اندر دو وصف ہوں: ایک یہ کہ وہ اللہ کے لئے ہو، دوسرے یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے موافق ہو اور اسی کا نام واجبات و مستحبات ہے۔

اللہ نے فرمایا:

﴿فمن کان یرجوا لقاء ربه فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادة ربه احدا﴾ (کھف: ۱۱۰)

تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہئے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔بندہ کے لئے عمل صالح ضروری ہے جس کو ہم واجب و مستحب کہتے ہیں، یہ عمل خالص اللہ

کے لئے ہونا چاہئے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿بلی من اسلم وجهه لله وهو محسن فله اجره عند ربه و لا خوف عليهم و لا هم يحزنون﴾ (بقرة: ١١٢)

سنو! جو بھی اپنے آپ کو خلوص کے ساتھ اللہ کے سامنے جھکا دے اور ہو بھی نیکوکار تو اسے اس کا رب پورا بدلہ دے گا اس پر نہ تو کوئی خوف ہوگا نہ غم اور اداسی۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس نے ایسا عمل کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا تو وہ عمل قابل قبول نہیں۔ (بخاری، مسلم)

اور فرمایا: عمل کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر آدمی کے لئے وہی چیز ہے جو اس نے نیت کی، تو جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہے اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا کی کسی چیز کو پانے کے لئے ہے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لئے ہے تو اس کی ہجرت اسی کی خاطر ہوگی جس کے لئے اس نے ہجرت کی۔ (بخاری)

یہ دین کا بنیادی اصول ہے، اسی کی دعوت اللہ اور اس کے رسول نے دی ہے اور اسی کے گرد شریعت کے سارے احکام گھوم رہے ہیں۔

اور شرک جو نفسوں پر غالب ہے وہ اس امت کے اندر چیونٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ پوشیدہ طور پر داخل ہوتا ہے۔ (حدیث)

حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ہم شرک سے کیسے نجات پائیں گے جبکہ وہ چیونٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ خفیہ طور پر اس امت کے اندر داخل ہوتا ہے، تو اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: میں تم کو کچھ ایسے کلمات سکھاتا ہوں کہ اگر تم اس کو کہو گے تو کھلے اور چھپے شرک سے نجات پا جاؤ گے، تم کہو:

اللھم انی اعوذ بک ان اشرک بک و انا اعلم و استغفرک لما لا اعلم

اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں تیرے ساتھ جان بوجھ کر کسی کو شریک ٹھہراؤں اور تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اس شرک سے جس کو میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ اپنی دعا میں یہ کہا کرتے تھے:

اللھم اجعل عملی کله صالحا واجعله لوجھک خالصا و لا تجعل لاحد فیه شیئا

اے اللہ میرے سارے اعمال کو صالح بنا اور خالص اپنی خوشنودی کے لئے بنا اور اس کے اندر کسی کے لئے کچھ نہ بنا (یعنی کسی کو شریک نہ بنا) بندے کے نفس پر اکثر

پوشیدہ خواہشات غالب آجاتی ہیں جو اس کی بندگی اور محبت کو فاسد کردیتی ہیں جیسے کہ شدادؓ بن اوس نے کہا: اے عرب کے بقایا! میں تمہارے اوپر سب سے زیادہ ریاء اور پوشیدہ خواہشات سے ڈرتا ہوں۔

ابوداؤد سجستانی سے پوچھا گیا کہ پوشیدہ خواہش کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: سرداری کی خواہش۔ حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دو بھوکے بھیڑیئے کسی بکری کے باڑھ میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ اتنا نقصان نہیں پہونچائیں گے جتنا کہ آدمی کے دین کو مال وشرف کا حرص نقصان پہونچانے والا ہے۔ (احمد، ترمذی)

جس کا دین اللہ کے لئے خالص ہوگا اس کے اندر کسی چیز کا طمع نہیں ہوگا بلکہ اس کے دل میں خالص اللہ کی محبت ہوگی اور اللہ تعالیٰ ایسے مخلص بندے سے بری چیزوں کو ہٹالے گا جیسے کہ فرمایا:

﴿ كذلك لنصرف عنه السوء والفحشاء انه من عبادنا المخلصين ﴾ (یوسف: ۲۴)

یوں ہی ہوا اس واسطے کہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی دور کردیں بیشک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔ ایسا مخلص بندہ اللہ کی فرمانبرداری اور اس سے محبت کی مٹھاس پاتا ہے اور دنیا کی کوئی نعمت ایمان سے زیادہ لذیذ اس کے نزدیک نہیں

ہوتی، اس کا دل اللہ کی یاد میں برابر لگا رہتا ہے، وہ اللہ کی ذات سے خائف بھی رہتا ہے اور امید بھی لگائے رہتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿من خشی الرحمن بالغیب و جاء بقلب منیب﴾ (ق : ۳۳) جو رحمٰن کا غائبانہ خوف رکھتا ہے اور توجہ والا دل لایا ہے۔

اور فرمایا:

﴿اولئک الذین یدعون یبتغون الی ربهم الوسیلة ایهم اقرب و یرجون رحمته و یخافون عذابه ان عذاب ربک کان محذورا﴾ (اسراء : ۵۷) جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہو جائے وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے خوف زدہ رہتے ہیں (بات بھی یہی ہے) کہ تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہی ہے۔

اور جب بندہ اللہ کے لئے مخلص ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو منتخب کر لیتا ہے، اس کا دل اپنی طرف لگا لیتا ہے، اس سے برائیوں اور فحش کاموں کو پھیر دیتا ہے۔ اور اگر بندہ اللہ کے لئے مخلص نہ ہو تو اس کے دل میں

مختلف قسم کی چاہت و محبت ہوتی ہے، وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے لگتا ہے۔ اس کی مثال اس شاخ کی مانند ہے جس کو بادِ نسیم جس طرف چاہے جھکائے پس وہ کبھی تصویروں میں اپنا دل لگالیتا ہے، کبھی سرداری اور جاہ و منصب کے پیچھے پڑ جاتا ہے، کسی معمولی بات سے خوش ہو جاتا ہے اور کسی بات سے ناراض ہو جاتا ہے، اور اس آدمی کا غلام بن جاتا ہے جو اس کی تعریف کرتا ہے خواہ وہ غلط تعریف ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس شخص سے دشمنی کرنے لگتا ہے جو اس کی مذمت کرتا ہے خواہ مذمت درست ہی کیوں نہ ہو۔ اور کبھی وہ درہم و دینار اور دوسری چیزوں کا بندہ بن جاتا ہے اور اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیتا ہے اور اپنی خواہشات کے پیچھے بغیر اللہ کی ہدایت کے دوڑتا پھرتا ہے۔ اور جو شخص اپنے آپ کو اللہ کا خالص بندہ نہ بنائے، اپنے دل کو اسی وحدہ لاشریک کا تابع دار نہ بنائے، اپنے دل میں صرف اسی کی محبت نہ جگائے تو اس کے دل پر شیطان کا غلبہ ہو جاتا ہے اور وہ ساری چیزوں کا غلام بن جاتا ہے اور وہ حقیقت میں گمراہ ہے اور شیطان کا بھائی ہے، اس کے دل میں برائیاں اور فحش کام گھر بنا لیتے ہیں۔ دل کا اللہ کے لئے یکسو ہونا ضروری ہے اور اگر دل اللہ کے لئے یکسو نہیں ہے تو وہ مشرک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فاقم وجهك للدين حنيفا فطرت الله التى فطر الناس عليها لاتبديل لخلق الله ذلك الدين القيم ولكن اكثر الناس لا يعلمون ،منيبين اليه واتقوه و اقيموا الصلاة ولا تكونوا من المشركين ، من الذين فرقوا دينهم و كانوا شيعا كل حزب بما لديهم فرحون﴾ (روم : ۳۰-۳۲)

آپ یکسو ہوکر اپنا منہ دین کی طرف متوجہ کردیں، اللہ تعالیٰ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ کے بنائے کو بدلنا نہیں یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے (لوگو) اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوکر اس سے ڈرتے رہو اور نماز کو قائم رکھو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔ ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ گروہ ہو گئے، ہر گروہ اس چیز میں جو اس کے پاس ہے مگن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی اولاد کو اس مخلص جماعت کا امام بنایا جیسے کہ فرعون اور آل فرعون کو اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے مشرکین کا امام بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے

بارے میں فرمایا:

﴿ و و هبنا له اسحاق ویعقوب نافلة و کلا جعلنا صالحین ، و جعلنا هم ائمة یهدون بامرنا و اوحینا الیهم فعل الخیرات و اقام الصلوٰة وایتاء الزکوٰة و کانوا لنا عابدین ﴾ (انبیاء:۷۲-۷۳)

اور ہم نے ابراہیمؑ کو اسحٰق عطا کئے اور مستزاد برآں یعقوب، اور سب کو نیک بخت کیا اور ان سب کو پیشوا بنایا وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ان کو نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم بھی۔ اور وہ ہماری عبادت کیا کرتے تھے۔

اور فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں فرمایا:

﴿ وجعلنا هم ائمة یدعون الی النار ویوم القیامة لا ینصرون و اتبعناهم فی هذه الدنیا لعنة ویوم القیامة هم من المقبوحین ﴾ (قصص: ۴۱-۴۲)

اور ہم نے ان کو ایسے امام بنادیئے کہ لوگوں کو جہنم کی طرف بلائیں اور روز قیامت مطلق مدد نہ کئے جائیں گے اور ہم نے اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے اپنی لعنت لگادی ہے اور قیامت کے دن بھی وہ

بدحال لوگوں میں سے ہوں گے۔ اسی لئے فرعون کے متبعین اللہ جو چیز پسند کرتا ہے اور جو اس نے تقدیر میں لکھ رکھا ہے اس کے درمیان تمیز نہیں کرتے بلکہ مطلق مشیت کی طرف دیکھتے ہیں اور خالق اور مخلوق کے درمیان تمیز نہیں کرتے بلکہ خالق کا وجود مخلوق کا وجود مانتے ہیں اور مخلوق کا وجود خالق کا وجود مانتے ہیں۔

صوفیاء کے محققین کہتے ہیں کہ شریعت کے اندر اطاعت اور معصیت ہے اور حقیقت میں معصیت ہے اطاعت نہیں اور تحقیق کے اندر نہ اطاعت ہے نہ معصیت۔

یہ تحقیق دراصل فرعون اور اس کی قوم کی تحقیق ہے جنہوں نے خالق کا انکار کیا اور اللہ کے بندے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے بات کرنے سے انکار کیا اور ان کی رسالت کو ٹھکرایا۔

تیسری فصل

خالق اور مخلوق کے درمیان فرق

ابراہیم (علیہ السلام) اور آل ابراہیم اور انبیاء و مومنین خالق اور مخلوق کے درمیان فرق کو اچھی طرح سے جانتے ہیں اور اطاعت و معصیت کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ بندہ اس فرق کو جتنا زیادہ سمجھے گا اتنا ہی وہ اللہ سے محبت وفرمانبرداری کرے گا اور غیر اللہ سے اعراض کرے گا۔ اور یہ گمراہ لوگ مشرکین کی طرح اللہ اور اس کے مخلوق کے درمیان برابری کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا:

﴿افرأيتم ما كنتم تعبدون، انتم و آباؤكم الاقدمون، فانهم عدولي الا رب العالمين﴾ (شعراء: ۷۵-۷۷)

کچھ خبر بھی ہے جنہیں تم پوج رہے ہو، تم اور تمہارے اگلے باپ دادا، وہ سب میرے دشمن ہیں بجز سچے اللہ کے جو کہ تمام جہاں کا پالنہار ہے۔

یہ لوگ نصاریٰ کی طرح اپنے مشائخ کی متشابہ ومبہم باتوں کو پکڑتے

ہیں۔جیسا کہ لفظ فنا ہے اس کی تین قسمیں ہیں:
ایک انبیاء اور اولیاء کے لئے۔
دوسرے اولیاء و صالحین کے لئے۔
تیسرے منافقین و ملحدین کے لئے۔

پہلی قسم کا مطلب ہے کہ اللہ کے علاوہ دوسروں کا خیال دل سے نکال دینا یعنی محبت اللہ ہی کے لئے ہو، عبادت اسی کی کی جائے، بھروسہ اسی پر کیا جائے اور غیر اللہ سے نہ مانگا جائے۔ چنانچہ شیخ ابو یزید کے اس قول: ارید ان لا ارید الا ما یرید ''میں چاہتا ہوں کہ میں اس چیز کا ارادہ نہ کروں مگر جو وہ ارادہ کرے'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی جو مرضی اور خوشنودی ہے وہی میں بھی چاہوں اور یہ کمال عبدیت کی دلیل ہے کہ بندہ وہی چیز پسند کرے جسے اللہ پسند کرتا ہے اور وہی کام کرے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اسی سے محبت رکھے جس سے اللہ محبت رکھتا ہے جیسے فرشتے انبیاء و صالحین وغیرہ سے۔ قرآن کریم کی اس آیت: ﴿الا من اتی اللہ بقلب سلیم﴾ (شعراء: ۸۹) لیکن جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بے عیب دل لے کر آئے کا مفہوم یہ لوگ یہی لیتے ہیں۔ یہاں قلب سلیم سے مراد وہ دل ہے جو شرک سے

پاک ہو، غیر اللہ کی محبت سے پاک ہو، غیر اللہ کی چاہت سے پاک ہو، چنانچہ اس مفہوم کو فنا کا نام دیا جائے یا نہ دیا جائے وہ دین کے عین مطابق ہے۔

فناء کی دوسری قسم کا مطلب ہے کہ بندہ صرف اللہ ہی کی طرف توجہ لگائے بیٹھا رہے اور اس کے علاوہ کسی کو نہ دیکھے، کسی کو دل میں نہ لائے، کسی کی طرف توجہ نہ کرے، کسی شخص کی موجودگی کا احساس نہ کرے اور اللہ کی عبادت و ذکر میں اس طرح غرق ہو جائے کہ اس کو اپنے وجود و شہود کا احساس نہ ہو۔ اسی مقام پر پہونچنے کے بعد بہت سے صوفیاء گمراہ ہوئے ہیں اور اتحاد کا عقیدہ سامنے آیا ہے، یعنی محبّ اور محبوب کا اس طرح متحدہ ہو جانا کہ اور ان دونوں کے وجود میں کوئی فرق نہ باقی رہ جائے۔ جب کہ یہ سراسر باطل نظریہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہے، بلکہ دو عام چیزیں بھی ایک دوسرے کے ساتھ متحد اسی وقت ہو سکتی ہیں جب ان کی حقیقت بالکل مسخ ہو جائے اور ایک دوسرے کے اندر پوری طرح تحلیل ہو جائیں، پھر ان کے اتحاد سے ایک تیسری چیز بھی سامنے آئے گی جو ان دونوں کی حقیقت سے مختلف ہو گی جیسے۔ پانی اور دودھ، شراب اور پانی

وغیرہ۔ البتہ محبت اور دشمنی ، پسندیدگی اور ناپسندیدگی ، غصہ اور ناراضگی میں دونوں متفق ہو سکتے ہیں یعنی جو چیز اللہ کو ناپسند ہو وہ بندے کو بھی ناپسند ہو، جو اللہ کو پسند ہو وہ بندے کو بھی پسند ہو، جس سے اللہ دوستی کرے اس سے بندہ بھی دوستی کرے اور جس سے اللہ دشمنی کرے اس سے بندہ بھی دشمنی کرے۔

صوفیاء کے اس فناء کے عقیدے کو صحابہ کرام نے نہیں اختیار کیا تھا جب کہ ان کا ایمان سب سے زیادہ کامل تھا۔ صحابہ کرام اللہ کی محبت میں غرق ہو کر کبھی مدہوش نہیں ہوئے ، کبھی ان پر جنونی کیفیت طاری نہیں ہوئی ، کبھی انہوں نے اپنے عقل وحواس کو نہیں کھویا۔ اس عقیدہ کی شروعات بصرہ کے بعض صوفیاء سے ہوئی جیسے کہ ابو جہیر الضریر اور زرارہ بن اوفی وغیرہ ان میں سے بعض کے اوپر قرآن سننے کے وقت غشی طاری ہو جاتی اور بعض کا انتقال ہو گیا۔

پھر صوفیاء کی ایک جماعت اس عقیدہ فنا میں اس قدر کھو گئی کہ انہوں نے تمیز کرنا چھوڑ دیا اور مدہوش ہو کر غلط قسم کی باتیں کرنے لگے جیسے کہ ابویزید، ابوالحسین نوری، ابوبکر شبلی وغیرہ۔

صوفیاء میں سلیمان دارانی ، معروف کرخی ، فضیل بن عیاض اور جنید

بھی ہیں لیکن انہوں نے اپنے ہوش وحواس کو نہیں کھویا اور اس فناء میں نہیں پڑے۔ بلکہ حقیقت میں جو اہل کمال ہیں ان کے دل میں اللہ کی محبت کے علاوہ کسی دوسرے کی محبت نہیں رہتی ہے وہ اپنے علم اور ہوش وحواس کو برقرار رکھتے ہیں تاکہ معاملات میں تمیز کرسکیں وہ دیکھتے ہیں کہ مخلوق اللہ کے حکم ہی سے قائم ہے اور اللہ کی مشیت ہی سے دنیا کی ساری چیزیں چل رہی ہیں، وہ اپنے مشاہدات کے ذریعہ تذکرہ وتبصرہ کرتے ہیں اور صرف دین خالص اور توحید کی دعوت دیتے ہیں۔

اسی حقیقت کی طرف قرآن نے بھی دعوت دی ہے اور اہل ایمان اور اہل عرفان جن کے پیشوا ہمارے رسول اللہ ﷺ ہیں نے بھی اس کی ترویج واشاعت کی ہے۔

فناء کی تیسری قسم عقیدہ وحدۃ الوجود ہے۔ اس سے صوفیوں کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی موجود نہیں اور خالق کا وجود ہی مخلوق کا وجود ہے۔ لہذا رب اور بندے کے درمیان کوئی فرق نہیں، یہ انتہائی گمراہ لوگ ہیں، انہوں نے عقیدہ حلول اور اتحاد کو پیش کیا ہے (جس کے مطابق اللہ تعالیٰ جسموں میں حلول کر جاتا ہے اور انسانی اجسام الوہیت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ رب اور بندہ میں کوئی تمیز نہیں

رہتی) اور جو صالح مشائخ ہیں ان کا ان اقوال سے کوئی تعلق نہیں ، یہ مشائخ جب یہ کہتے ہیں کہ میں اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھتا ہوں یا اللہ کے علاوہ کسی کی طرف نہیں دیکھتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے علاوہ میں کوئی رب نہیں دیکھتا ہوں اور اس کے علاوہ کوئی خالق ، مدبر اور معبود نہیں دیکھتا ہوں اور اس کے علاوہ کسی کی طرف محبت و خوف یا امید سے نہیں دیکھتا ہوں کیونکہ جو شخص کسی سے محبت رکھے گا یا اس سے امید رکھے گا یا اس سے ڈرے گا تو اس کی توجہ ہمیشہ اسی کی طرف رہے گی۔ اور اگر اس سے محبت نہ رکھتا ہو، کوئی امید نہ رکھتا ہو اور نہ ہی اس سے ڈرتا ہو، اور نہ ہی اس سے بغض رکھتا ہو تو دل اس کی طرف متوجہ نہیں رہے گا بلکہ اس کی طرف دیکھنا ایک سرسری دیکھنا ہوگا جیسے کہ کوئی آدمی دیوار دیکھے اور دل میں اس کے لئے کوئی لگاؤ نہ ہو۔

صالح مشائخ اپنے کلام کے ذریعہ توحید مراد لیتے ہیں، وہ اللہ ہی کی خاطر محبت کرتے ہیں، اللہ ہی کی خاطر دشمنی کرتے ہیں، وہ اللہ ہی سے امید رکھتے ہیں، اسی سے خوف کھاتے ہیں۔ اور جو فنا فی الوجود کی باتیں کرتے ہیں وہ آل فرعون کے طریقے پر ہیں۔ جیسے کہ قرامطہ۔ اللہ کے نیک بندے جس فنا کی باتیں کرتے ہیں وہ فناء محمود ہے اور صالح

مشائخ کے کہنے کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ جو چیز مخلوقات میں وہ دیکھتے ہیں وہ آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے۔ ایسی گمراہ کن بات کوئی ملحد و جنونی ہی کرے گا۔ تمام علماء سلف اور مشائخ عظام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات سے بالکل جدا ہے۔ اللہ کی ذات میں سے کوئی بھی چیز مخلوق کے اندر نہیں پائی جاتی اور نہ ہی مخلوق کی کوئی چیز اللہ کی ذات میں پائی جاتی ہے۔ اور یہ کہ قدیم کو حادث سے جدا کرنا اور خالق کو مخلوق سے علیحدہ کرنا ضروری ہے۔

ان صوفیاء میں سے بعض لوگ مخلوق کے وجود کو خالق کا وجود کہتے ہیں جیسے کہ سورج کی کرنوں کو بعینہ سورج کہا جائے۔

ان صوفیاء میں سے بعض فرق اور جمع کی باتیں کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ جب مخلوقات کے اندر کثرت و تعدد دیکھتا ہے تو اس کا دل مختلف متعدد چیزوں میں لگ جاتا ہے لیکن جب وہ جمع کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو اسکو یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے اور اس کا دل صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، وہ صرف خدا سے محبت کرنے لگتا ہے، اسی سے خوف کھاتا ہے اور اسی سے امید کرتا ہے، اسی سے مدد طلب کرتا ہے، صرف اسی کی عبادت کرتا ہے، وہ اس حالت میں کبھی

مخلوق کی طرف دیکھ نہیں پاتا تاکہ خالق اور مخلوق کے درمیان فرق کر سکے بلکہ اپنی پوری توجہ اللہ کی ذات پر مبذول کر دیتا ہے اور مخلوق کو قصداً دیکھ کر بھی نظر انداز کر دیتا ہے۔ یہ چیز فناء کی دوسری قسم میں شمار ہوتی ہے۔ لیکن اللہ کی ذات پر پوری توجہ دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ خالق اور مخلوق کے درمیان تمیز کی جائے اور اللہ کو ہر چیز کا خالق و مالک مانا جائے، یہ گواہی دی جائے کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اور مخلوق صرف اس کے حکم سے قائم ہے۔ یہی مشاہدہ و عرفان در حقیقت صحیح معرفت الٰہی ہے اور یہی اللہ کی الوہیت و ربوبیت پر ایمان ہے۔ جس کے بعد آدمی مومن و موحد بنتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ سب سے افضل ذکر " لا الہ الا اللہ " ہے اور سب سے افضل دعا 'الحمد اللہ' ہے (ترمذی) موطا میں طلحہؓ بن عبید اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے افضل چیز جس کو میں نے اور مجھ سے پہلے نبیوں نے کہا ہے وہ ہے " لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر " اور جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ عام لوگوں کا ذکر ہے اور خاص لوگوں کا ذکر صرف لفظ " اللہ " ہے اور

خاص لوگوں میں سے خاص کا ذکر اسم مضمر ہے وہ گمراہ لوگ ہیں۔

بعض لوگ اپنے اس قول کی دلیل قرآن کریم کی اس آیت کو بناتے ہیں:

﴿ قل الله، ثم ذرهم فی خوضهم یلعبون ﴾ (انعام: ۹۲)

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے نازل فرمایا ہے، پھر ان کو ان کے خرافات میں کھیلتے رہنے دیجئے۔

لیکن یہ دلیل غلط ہے کیونکہ اللہ کا نام یہاں اس سے پہلے استفہام کے جواب میں آیا ہے اس سے پہلے استفہام یہ ہے:

﴿ قل من انزل الکتاب الذی جاء به موسی نورا و هدی للناس تجعلو نه قراطیس تبدو نها و تخفون کثیرا و علمتم ما لم تعلموا انتم و لا اباؤ کم قل الله ﴾ (انعام: ۹۲)

آپ کہہ دیجئے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ لائے تھے، جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ نور ہے اور لوگوں کے لئے ہدایت ہے، جس کو تم نے ان متفرق اوراق میں رکھ چھوڑا ہے جن کو ظاہر کرتے ہو اور بہت سی باتوں کو چھپاتے ہو، اور تم کو بہت سی ایسی باتیں بتائی گئی ہیں جن کو تم نہ جانتے تھے اور نہ تمہارے بڑے،

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے نازل فرمایا ہے۔

یہاں لفظ اللہ مبتدا ہے اور اس کی خبر جملہ استفہامیہ ہے جیسے کہ کہا جائے "من جارہ" اس کا پڑوسی کون ہے؟ تو اس کے جواب میں کہا جائے، زید۔ البتہ اگر اللہ کا ذکر اسم مفرد سے کیا جائے چاہے وہ ظاہر ہو یا مضمر ہو تو وہ کلام تام نہیں اور نہ ہی جملہ مفیدہ ہے اور اس کا تعلق نہ تو ایمان سے ہے نہ کفر سے اور نہ ہی امر سے ہے اور نہ نہی سے اور نہ سلف صالحین میں کسی نے یہ بات کہی ہے اور نہ رسول اللہ نے اس کو مشروع کیا ہے اور نہ ہی دل کو اس سے اطمینان ہوتا ہے اور نہ ہی پوری معرفت حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی اس پر نفی اور اثبات کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔

بہت سے صوفیاء جو صرف لفظ اللہ کا ذکر کرتے رہے ہیں وہ کفر و الحاد میں مبتلاء ہو گئے ہیں۔

بعض صوفیاء نے یہ بات کہی ہے کہ مجھے ڈر ہے کہ میں نفی اور اثبات کے درمیان مروں گا، اس قسم کا قول باطل اور غلط ہے اس کی اقتداء نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے کہ اس حال میں بندہ مرا تو اسی بات پر مرا جسکی اس نے نیت کی کیونکہ عمل کا دارومدار نیت پر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مرنے والے کو "لا الہ الا اللہ"

کہنے کی تلقین کرو۔ (مسلم) اور فرمایا کہ جس کا آخری کلام " لا اله الا الله " ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (ابو داؤد)

اس لئے " لا الـه الا الله " کہنے کے درمیان ہی اگر کسی کی موت ہوگئی تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی وہ غیر محمود موت کہلائے گی اگر ایسی بات ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کو کہنے کی تلقین نہ کرتے بلکہ صرف لفظ مفرد یعنی اللہ کہنے کی تلقین کرتے۔ اور اسم ضمیر سے اللہ کو یاد کرنا سنت کے خلاف ہے اور بدعت ہے یعنی " هو یا هو " هو هو " وغیرہ کہنا۔

ابن عربی نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام " الهو " رکھا ہے بعض لوگ قرآن کریم کی اس آیت کریمہ:

﴿ و ما يعلم تاويله الا الله ﴾ (آل عمران : ٧) " حالانکہ ان کے حقیقی مراد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا " سے لفظ " هو " پر استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہاں مراد اسم " هو " ہے جس کی تاویل اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے یہ قول بالکل باطل ہے اگر ایسی بات ہوتی تو لفظ " هو " کو منفصل طور پر بیان کیا جاتا اور آیت کریمہ اس طرح ہوتی " و ما يعلم تاويل هو "۔

قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی اس قسم کی آیتیں آئی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ اپنے رب کا نام لو یا اس کی تسبیح بیان کرو جیسے کہ:

﴿واذكر اسم ربك وتبتل اليه تبتيلا﴾ (مزمل : ۸) اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کر اور تمام خلائق سے کٹ کر اس کی طرف متوجہ ہو جا۔ دوسری جگہ ہے:

﴿سبح اسم ربك الاعلى﴾ (اعلی: ۱) اپنے بہت ہی بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر۔

اسی طرح ہے:

﴿قد افلح من تزكى وذكر اسم ربه فصلى﴾ (اعلی:۱۴-۱۵) بیشک اس نے فلاح پالی جو پاک ہو گیا اور جس نے اپنے رب کا نام یاد رکھا اور نماز پڑھتا رہا۔ ایک جگہ ہے:

﴿فسبح باسم ربك العظيم﴾ (واقعه : ۷۴) پس تو اپنے عظیم الشان پروردگار کی تسبیح بیان کر۔

ان آیات میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر صرف لفظ مفرد (اللہ) کے ساتھ کرو بلکہ حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت کریمہ: ﴿فسبح باسم ربك العظيم﴾ نازل ہوئی، تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا

کہ اس کو تم اپنے رکوع میں کرلو، اور جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:
﴿ سبح اسم ربک الاعلی ﴾ تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کو تم اپنے سجدہ میں کرلو۔ چنانچہ آپؐ نے تعلیم دی کہ رکوع میں "سبحان ربی العظیم" کہا جائے اور سجدہ میں "سبحان ربی الاعلی" کہا جائے۔ اور یہی جملہ تامہ مفیدہ ہے جس سے بات واضح ہوجاتی ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کے بعد سب سے افضل کلام چار ہیں اور وہ بھی قرآن ہی میں سے ہیں جو یہ ہیں:
"سبحان الله و الحمد الله و لا اله الا الله و الله اکبر"۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو کلمے زبان پر ہلکے ہیں لیکن میزان میں بھاری ہیں اور اللہ کو بہت پسند ہیں وہ یہ ہیں:
"سبحان الله و بحمد ہ سبحان الله العظیم"۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سو مرتبہ ایک دن میں "لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر" پڑھے تو شر شیطانی سے صبح سے شام تک محفوظ رہتا ہے۔ اور اس کے عمل سے بڑھ کر کسی کا عمل افضل نہیں ہوتا الا یہ کہ اسی کے مثل یا اس سے بڑھ کر کوئی یہ کلمات کہے۔

اور جس نے دن میں سو مرتبہ "سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم" کہا تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں چاہے سمندر کے جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔ موطا میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے افضل کلمات جن کو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے کہا ہے وہ یہ ہیں " لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر"۔

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے افضل ذکر "لا الہ الا اللہ" ہے اور سب سے افضل دعا "الحمد اللہ" ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

﴿ و لا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ ﴾ (انعام: ۱۲۲)

اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو

دوسری جگہ ہے:

﴿ فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ ﴾ (مائدہ: ٤)

پس جس شکار کو وہ تمہارے لئے پکڑ کر روک رکھیں تو تم اس سے کھالو اور اس پر اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کرلیا کرو۔

یہاں اللہ کے نام سے ذبح کرنے کا حکم ہے اور یہ جملہ تامہ ہے خواہ جملہ اسمیہ مانا جائے یا جملہ فعلیہ۔

آدمی ذبح کرنے کے وقت جب بسم اللہ کہتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے میں اللہ کے نام سے ذبح کرتا ہوں۔ اسی طرح پڑھنے کے وقت جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ میں اللہ کے نام سے پڑھتا ہوں۔ کچھ لوگ اس کے اندر ابتدائی یا ابتدات کو پوشیدہ مانتے ہیں، جس کا مطلب ہے میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ اسی طرح احادیث میں بھی بسم اللہ کہنے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ صرف اللہ کہنے کا۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سوتیلے بیٹے عمر بن ابی سلمہ سے فرمایا: اے لڑکے! تم بسم اللہ کہو اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور جو تم سے قریب ہو وہ کھاؤ۔ (بخاری مسلم)

اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عدیؓ بن حاتم سے کہا کہ جب تم اپنے سکھائے ہوئے کتے کو شکار کے لئے بھیجو اور بسم اللہ کہہ لیا کرو تو وہ شکار کھا سکتے ہو۔ (بخاری، مسلم) اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل

ہونے کے وقت اور نکلنے کے وقت اور کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے تو شیطان اپنے آپ سے کہتا ہے کہ اب تمہارے لئے رات گزارنے کی جگہ نہیں اور نہ شام کا کھانا ہے۔ (مسلم)

اسی طرح نماز میں، اذان میں، حج میں اور عیدوں میں، جو اللہ کا ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں بھی جملہ تامہ ہی ہے جیسے کہ مؤذن کہتا ہے: الله اكبر ، الله اكبر ، اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله .

اور نمازی کہتا ہے: الله اكبر ، سبحان ربي العظيم ، سبحان ربي الاعلىٰ ، سمع الله لمن حمده، ربنا و لك الحمد، التحيات لله ۔

اور حج میں تلبیہ کہنے والا کہتا ہے: لبيك اللهم لبيك ۔ غرضیکہ شریعت نے جس ذکر بھی کو مشروع کیا ہے وہ کلام تام ہی ہے نہ کہ کلام ناقص یا اسم مفرد خواہ وہ ظاہر ہو یا ضمیر ہو۔ کلام تام ہی کو دراصل کلمہ کہتے ہیں جیسے کہ حدیث میں ہے "كلمتان خفيفتان على اللسان ، ثقيلتان في الميزان، حبيبتان الى الرحمن ، سبحان الله وبحمده ، سبحان الله العظيم" (یہاں سبحان الله و بحمده

کوایک کلمہ اور سبحان الله العظیم کودوسرا کلمہ کہا گیا ہے۔جو جملہ تام ہے نہ کہ اسم مفرد)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بڑھ کر کلمہ جس کو کسی شاعر نے کہا ہے وہ لبید کا یہ کلمہ ہے:

الا کل شیء ما خلا الله باطل. (بخاری و مسلم)	خبردار اللہ کے علاوہ ہر چیز باطل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿کبرت کلمة تخرج من افواههم﴾ (کهف: ٥)	یہ تہمت بڑی بری ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے۔

اور فرمایا:

﴿وتمت كلمة ربک صدقا وعدلا﴾ (انعام: ١١٥)	آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ کا ذکر جملہ تامہ ہی کے ذریعہ کرنا چاہئے جس سے دل کو اطمینان ہو نہ کہ اسم مفرد سے جو کہ بدعت وگمراہی کا ذریعہ بن گیا ہے۔

چوتھی فصل

دین کا اجماع

دین دو چیزوں سے مل کر بنا ہے: ایک یہ کہ ہم صرف اللہ ہی کی عبادت کریں، دوسرے یہ کہ ہم اسی طریقے سے اسکی عبادت کریں جس طرح شریعت نے ہمیں حکم دیا ہے نہ کہ بدعت کے ذریعہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فمن کان یرجوا لقاء ربه فلیعمل عملاً صالحا و لا یشرک بعبادة ربه احدا﴾ (کهف: ۱۱۰)

تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہئے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔ اور شہادتین یعنی" لا اله الا الله محمد رسول الله" کے اندر یہی بات پنہاں ہے۔

پہلی شہادت میں یہ ہے کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں اور دوسری شہادت میں یہ ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں جن کی ہم

تصدیق کریں اور جن کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کریں۔اور آپ ؐ نے ہمیں یہ بتادیا ہے کہ ہم اللہ کی عبادت کیسے کریں اور بدعات سے منع کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ بلیٰ من اسلم وجهه لله وهو محسن فله اجره عند ربه و لا خوف عليهم ولا هم يحزنون ﴾ (بقرة: ۱۱۲)

سنو! جو بھی اپنے آپ کو خلوص کے ساتھ اللہ کے سامنے جھکا دے، اور نیکوکار بھی ہو تو اسے اس کا رب پورا بدلہ دے گا، اس پر نہ تو کوئی خوف ہوگا نہ غم اور اداسی۔

جس طرح ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم صرف اللہ سے ڈریں، اسی پر بھروسہ کریں، اسی کی طرف رجوع کریں، اسی سے مدد مانگیں اور اسی کی عبادت کریں، اسی طرح ہمیں یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ ہم اس کے رسول کی اتباع کریں، ان کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کریں، انہوں نے جس چیز کو حلال قرار دیا ہے اس کو حلال سمجھیں اور جس چیز کو حرام قرار دیا ہے اس کو حرام سمجھیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿و لو انهم رضوا ما اتا هم الله و رسوله و قالوا حسبنا الله سيوتينا الله من فضله و رسولــه انــا الى اللــه راغبون﴾ (تــوبــه : ۵۹)

اگر یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے دیئے ہوئے پر خوش رہتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ اللہ ہمیں کافی ہے اللہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول بھی،

ہم تو اللہ کی ذات سے ہی توقع رکھنے والے ہیں۔ اور فرمایا:

﴿و مــا اتــاكـم الـرسـول فـخـذوه و مــا نـهـا كـم عـنـه فــانتهـوا﴾ (حشــر : ۷)

اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو۔ اور جس سے روکے رک جاؤ۔

البتہ توکل صرف اللہ کی ذات پر کرنا چاہئے اور توکل کو اللہ نے اپنے لئے خاص کر رکھا ہے، اس کے اندر رسول کو شامل نہیں کیا ہے جیسے کہ فرمایا:

﴿و قالوا حسبنا الله﴾ (توبہ : ۷) اور کہہ دیتے کہ اللہ ہمیں کافی ہے۔

دوسری جگہ صحابہ کرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الـذيـن قـال لهـم الناس ان الـنـاس قـد جـمـعـوا لـكـم فـاخشـوهـم فزادهم ايمانا و

وہ لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلے پر لشکر جمع کر لئے ہیں تم

﴿قالوا حسبنا الله و نعم الوكيل﴾ (آل عمران : ۱۷۳) ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت کارساز ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

﴿یا ایها النبی حسبک الله و من اتبعک من المؤ منین﴾ (انفال : ٦٤) اے نبی تجھے اللہ کافی ہے۔ اوران مؤمنوں کو بھی جو تیری پیروی کریں۔

اسی طرح اللہ نے فرمایا:

﴿الیس الله بکاف عبده﴾ (زمر : ٣٦) کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے۔

آیت کریمہ:

﴿سیؤتینا الله من فضله و رسوله﴾ (توبه : ٦٠) "اللہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول بھی"۔ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دینے میں رسول بھی شامل ہیں اور یہاں پر اللہ کے فضل کو مقدم بیان کیا کیونکہ فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اس کا فضل رسول پر بھی ہے اور مومنوں پر بھی۔

لیکن رغبت صرف اللہ کی طرف ہونی چاہئے جیسے کہ فرمایا:

﴿ انا الی اللہ راغبون ﴾ (توبہ : ٦٠) ہم تو اللہ ہی کی ذات سے توقع رکھنے والے ہیں۔

دوسری جگہ ہے:

﴿ فاذا فرغت فانصب و الی ربک فارغب ﴾ (انشراح : ٧-٨) پس جب تو فارغ ہو تو عبادت میں محنت کر اور اپنے پروردگار ہی کی طرف دل لگا۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس سے فرمایا کہ جب تم مانگو تو اللہ سے مانگو اور جب مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔

عبادت، خشیت اور تقویٰ صرف اللہ کے لئے ہے جب کہ اطاعت اور محبت اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے بھی، جیسے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا:

﴿ ان اعبدوا اللہ و اتقوہ و اطیعون ﴾ (نوح : ٣) کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ و من یطع الله و رسوله جو بھی اللہ تعالیٰ کی اور اس کے

و یخشی اللہ و یتقہ فاولئک ھم الفائزون ﴾ (نور: ۵۲) رسول کی فرمانبرداری کریں، خوف الٰہی رکھیں اور اس کے عذابوں سے ڈرتے رہیں وہی نجات پانے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں، اسی سے توقع رکھیں، اسی پر بھروسہ کریں، اسی کی اطاعت کریں۔ اسی طرح رسولوں کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا ہے لیکن شیطان نے نصاریٰ اور ان کے ہم مثل کو گمراہ کر دیا چنانچہ وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے لگے، رسولوں کی نافرمانی کرنے لگے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اپنے پادریوں کو رب بنالیا اور انہی کی طرف دل لگانے لگے، انہی پر بھروسہ کرنے لگے، انہی سے مانگنے لگے، اور رسولوں کی سنتوں کی مخالفت کرنے لگے۔ البتہ اللہ کے جو مخلص بندے ہیں وہ صراط مستقیم پر قائم ہیں، انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے اور اس کی اتباع کی ہے اور ''غیر المغضوب علیھم و لا الضآلین'' کے زمرے سے باہر نکل آئے ہیں انہوں نے اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کرلیا ہے چنانچہ وہ اللہ ہی سے محبت کرتے ہیں، اللہ ہی سے خوف کھاتے ہیں،

اسی کی طرف دل لگاتے ہیں، اسی سے مانگتے ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ یہی حقیقی عبادت ہے اور یہی دین اسلام ہے اور اللہ کے نزدیک صرف یہی دین قابل قبول ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں اس دین پر ثابت قدم رکھے اسی پر ہم عمل کریں اور اسی پر ہمارا خاتمہ ہو۔

والحمد لله وحده وصلى الله على سيد نا محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

الفضل الکبیر

مختصر تفسیر ابن کثیر (اردو کامل تین جلدیں)

تفسیری دنیا میں ایک عظیم تفسیر کا اضافہ

تفسیر ابن کثیر، اسلامی دنیا میں سب سے مقبول ومعروف تفسیر ہے، امت اسلامیہ کا اس پر مکمل اعتماد ہے ،اس کے مصنف دنیائے اسلام کے معروف مفسر اور مؤرخ علامہ ابوالفداء عماد الدین الحافظ ابن کثیر دمشقیؒ ہیں جو اپنی سلفیت اور علمی تجربے کی بناء پر انتہائی ثقہ اور قابل اعتماد مانے جاتے ہیں وہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کے لائق وفائق شاگرد ہیں۔ الفضل الکبیر کی خصوصیت یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر صحیح احادیث کے ساتھ کی گئی ہے اس طرح یہ قرآن واحادیث کا مجموعہ ہے۔

"الفضل الکبیر" تفسیر ابن کثیر کا مختصر اردو ترجمہ جسے ہندوستان کے مشہور عالم مولانا محمد داؤد راغب احسن بہاریؒ نے نہایت جامعیت کے ساتھ اختصار کیا ہے اور اس میں سے تمام مشتبہ اسرائیلی روایات نکال دی گئی ہیں، جن کی طرف خود علامہ ابن کثیرؒ نے اشارہ کیا ہے اردو ترجمہ نہایت آسان عام فہم، صحیح اور معتبر ہے، ساتھ ہی ہمارے دوست علامہ ابوالاشبال صغیر احمد شاغف حفظہ اللہ نے اس پر اپنے عالمانہ تفسیری نوٹ شامل کئے ہیں جن سے کتاب کی علمی اور تفسیری اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ ادارہ الدار السّلفیہ نے اپنی طباعتی روایات کے مطابق واضح قرآنی آیات، خوبصورت طباعت اور تین خوش نما جلدوں کے ساتھ برائے نشر واشاعت شائع کیا ہے، شائقین علوم قرآن واحادیث کے لئے یہ بہترین ہدیہ ہے۔